نبیلہ عزیز

بے ساختہ

ایک ناگواری بو بیڈ روم میں داخل ہوتے ہی اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی اور اس کے قدم وہیں دہلیز پہ ہی ٹھٹک کر رک گئے تھے۔ اسے یوں لگا، جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو، اگر وہ پانچ منٹ اور وہیں کھڑی رہتی تو یقیناً "چکرا کے گر جاتی" اسی لیے وہ یکدم پلٹی اور دروازہ کھول کر باہر جانے کو لپکی تھی۔

"رکو.....!" افگن افروز کی بھاری گمبیر اور بوجھل آواز اس کے قدموں کی زنجیر بن گئی تھی۔ وہ اس کی آواز پہ دروازے میں کسی بت کی مانند کھڑی رہ گئی۔ اس کا دایاں ہاتھ دروازے کے ہینڈل پہ مضبوطی سے جما ہوا تھا، جیسے اسے چھوڑ کر واپس پلٹنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔

"ادھر آؤ....." اس نے سر کے اشارے سے اسے قریب آنے کو کہا تھا، مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی آگے یا پیچھے نہیں ہلی۔

"میں کہہ رہا ہوں، ادھر آؤ، میرے پاس۔" وہ غصے سے دانت پیس کر بولا تھا لیکن وہ پھر بھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"میں کیا بکواس کر رہا ہوں؟ تمہیں سنائی نہیں دے رہا.....؟"

اس نے یکدم شیر کی طرح دھاڑتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا شیشے کا گلاس زور سے دروازے کی سمت دے

مکمل ناول

مارا تھا' وہ یکدم ایک سائیڈ پہ ہوئی تھی اور گلاس دروازے سے ٹکرا کر چکنا چور ہو گیا تھا۔ گلاس میں موجود مشروب کے چھینٹے اس کے پیروں پہ اور کپڑوں پہ گرے تھے' وہ بدک کر دور ہٹ گئی۔۔۔

"دروازہ بند کر کے ادھر آؤ' میرے سامنے۔" اس نے پھر سے آرڈر دیا۔۔۔ اب کی بار وہ اس کے خطرناک تیوروں سے کافی اچھی طرح باخبر ہو چکی تھی جب ہی دروازہ لاک کر کے اپنی سادہ اور نفیس سی چپل کے نیچے چھوٹے چھوٹے کانچ خزاں رسیدہ پتوں کی طرح روندتی ہوئی اس کے سامنے دفعہ تین سو دو کے مجرم کی طرح آن کھڑی ہوئی اُسے پتا تھا کہ اب اس کی رہائی نا ممکن ہو چکی ہے۔۔۔!

"واپس کیوں بھاگ رہی تھیں۔۔۔؟" اس نے اسے سر تا پا سرد نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا لیکن جواب ندارد!

"گونگی اور بہری کیوں ہو گئی ہو۔۔۔؟" اسے ایک بار پھر تاؤ آیا تو زور سے اس کی کلائی پکڑ کر جھٹکے سے کھینچی اور وہ سلونے پتھر کی مورتی اس کے اوپر ہی آن گری' گرتے ہی اس کی حس و حرکت بیدار ہوگئی۔ اس نے بوکھلا کر پیچھے ہٹنا چاہا تھا لیکن اس کی کمر جکڑی جا چکی تھی۔ اس نے اس کا حصار توڑ کے نکلنا چاہا لیکن یہ بھول گئی کہ گرفت افگن افروز جیسے طاقتور مرد کی ہے۔۔۔!

"میں نے تم سے کہا تھا' ہر روز تاوان بھرو گی تم' اور ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔۔۔؟ تم ابھی سے بھاگنے لگی ہو۔۔۔؟ ابھی تو پوری زندگی پڑی ہے' کیسے گزرے گی یہ زندگی؟" وہ اس کا دوپٹہ اس کے گلے سے نکال کر دور پھینک چکا تھا اور وہ اس کی بات اور اس کے انداز پہ بپھر گئی تھی۔

"میں ہر تاوان بھرنے کے لیے تیار ہوں' بشرطیکہ آپ ہوش و حواس میں ہوں۔ میرے کسی ناکردہ گناہ کی سزا دینی ہے تو مجھ سے نظر ملا کر سزا دیں' آنکھوں پہ نشے کی پٹی چڑھا کر نہیں۔۔۔" وہ بھی جواباً اسی کے لب و لہجے میں بولی تھی جس پہ افگن افروز کا ہاتھ اٹھا اور پانچوں انگلیاں اس کے رخسار پہ ثبت ہو گئیں۔

"اور میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ کبھی بیویوں والے زعم میں آ کر مجھ سے بات مت کرنا' بات کرنی ہے تو اپنی اوقات میں رہ کر بات کرنا' ورنہ سارے زعم توڑ کر رکھ دوں گا۔"

اس نے غرا کر اسے یاد دلایا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔

"رونا مت' نفرت ہے مجھے آنسوؤں سے"۔ ہر بات پہ پابندی تھی' وہ گھٹ گھٹ کے رونا چاہتی' پھر بھی رو نہیں سکتی تھی۔

"جاؤ' اپنا حلیہ درست کر کے آؤ۔" اس نے سختی سے کہتے ہوئے یکدم اسے بازوؤں کے تنگ گھیرے سے آزاد کر دیا اور وہ تیزی سے اس کے سینے سے الگ ہوئی تھی یوں جیسے کسی اذیت ناک اور ناقابل برداشت اسیری سے رہائی ملی ہو۔

"میں انتظار کر رہا ہوں' جلدی آؤ۔" جانے سے پہلے ہی جلدی آنے کی تاکید کی جا رہی تھی۔ وہ دوپٹہ اٹھا کر تیزی سے باتھ روم میں گھس گئی۔ باتھ روم میں گھستے ہی اس کے سینے میں دبی سسکیوں اور آنکھ کے کناروں پہ ٹھہرے اشکوں کو راستہ مل گیا تھا وہ دیوار گیر آئینہ کے سامنے کھڑی واش بیسن پہ دونوں ہاتھ جما کر جھکی ہوئی ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

افگن افروز نجانے کس جنم کا بدلہ لے رہا تھا اس سے۔۔۔ وہ بے بسی سے جتنا سوچتی اتنا ہی رونا آتا۔ آخر وہ جاتی تو کہاں جاتی۔۔۔؟ کرتی تو کیا کرتی؟ ان دونوں نے اک دوسرے کو جو سمجھا تھا' وہ غلط تھا۔۔۔!

☼ ☼ ☼

فجر کی پہلی اذان پہ ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔۔۔! اس نے ذرا سی کروٹ بدل کر گردن موڑ کر بیڈ کے بائیں طرف دیکھا۔ وہ تکیے پہ سر رکھے اوندھا لیٹا بے حد گہری اور بے سدھ سو رہا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پہ اک بے خبری اور اطمینان کا عالم تھا۔ جس

روز اسے چوٹ لگتی تھی اس روز وہ پہروں تڑپتا تھا اور پہروں سلگتا تھا' رات آنکھوں میں کٹتی تھی اور آنکھیں عذاب میں کٹتی تھیں اور یہی عذاب مائدہ کو اپنی ذات پہ جھیلنا پڑتا تھا۔ اپنی روح کچلنا پڑتی تھی' اپنی نسوانی انا کو مجروح کرنا پڑتا تھا' تب جاکے وہ پرسکون ہو کر سکون کی نیند سوتا تھا۔ کل رات بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ اسے اپنی وحشت کا نشانہ بنا کے سکون سے سو رہا تھا اور وہ پھر بھی صبر کیے اپنی قسمت پہ شاکر تھی۔ نماز پڑھنے کے لیے اپنے بال سمیٹتی ہوئی اٹھی تو نجانے کیوں' اپنے اوپر سے کمبل ہٹاتے ہوئے اس کی نظر افلن افروز پہ ٹھہری گئی تھی۔

کتنا خوب صورت تھا وہ' مردانہ وجاہتوں سے مالا مال' شاندار شخصیت کا مالک' ایک مکمل مرد۔۔۔۔! لیکن اس مکمل مرد کی ذات ادھوری تھی' ہر بات ادھوری تھی' اس کی ہر رات ادھوری تھی اور یہی ادھورا پن اس کا ایک زخم' ایک ناسور بن گیا تھا جس کی تکلیف افلن افروز کو کم اور مائدہ کو زیادہ ہوتی تھی' بالکل ایسے جیسے اس وقت ہو رہی تھی اور اسی تکلیف کے احساس تلے' وہ اسے ہی دیکھے جا رہی تھی' جب افلن افروز نے کروٹ بدلی اور اس کا ہاتھ مائدہ کی گود میں آپڑا تھا۔ وہ یکدم گھبرا گئی تھی کیونکہ افلن افروز کا اس وقت نیند سے بیدار ہونا بھی عذاب سے کم نہیں تھا۔

اس کے بیدار ہونے سے یقیناً" مائدہ کی نماز قضا ہو جاتی' جو اسے کسی بھی طور منظور نہیں تھا' اسی لیے وہ اس کے کروٹ بدلنے پہ دم سادھ گئی' پھر اس کی گہری نیند کا اطمینان کر لینے کے بعد احتیاط سے اس کا ہاتھ اپنی گود سے ہٹایا اور خود آہستگی سے بیڈ سے اتر گئی۔ دوبارہ اس پہ کمبل ڈال کر خود باتھ روم میں چلی آئی۔۔۔۔ پندرہ منٹ بعد نکلی اور نماز پڑھنے کے لیے باہر چلی گئی' بیڈ روم میں پھیلی ـــــ ناگوار بو اور لوازمات کی وجہ سے اس کا بیڈ روم میں نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہا تھا اسی لیے جائے نماز اٹھا کر نیچے آگئی تھی۔

ڈرائنگ روم میں جائے نماز بچھا کر نماز ادا کی' تسبیح پڑھی اور دعا مانگنے کے بعد دادی بی کے کمرے کا رخ کیا۔

"اسلام علیکم دادی بی! صبح بخیر۔" اس نے اندر آتے ہی انہیں سلام کیا وہ بھی جاگ رہی تھیں اور اسی کے انتظار میں تھیں کہ کب وہ آئے اور انہیں وضو کروائے' کیونکہ وہ خود سے نہ تو اٹھ سکتی تھیں اور نہ ہی چل پھر سکتی تھیں۔

"وعلیکم السلام بیٹا! جیتی رہو' سدا سہاگن رہو۔" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے دعا دی تھی۔

"آمین۔۔۔۔" وہ ان کی دعا سمیٹتی ہوئی جھکی اور انہیں سہارا دے کر وہیل چیئر پہ بٹھانے لگی۔

"جب سے تم اس گھر میں آئی ہو' میری کوئی بھی نماز قضا نہیں ہوئی' ورنہ تمہارے آنے سے پہلے اکثر

فجر کی نماز قضا ہو جاتی تھی۔"

وہ ان کی وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی باتھ روم کی سمت لے جا رہی تھی، جب دادی بی نے اس کی خدمت گزاری پہ تعریف کی تھی بلکہ احسان مانا تھا اس کا.....!

"چلیں شکر ہے میرے آنے کا کوئی تو فائدہ ہوا۔ میرے آنے سے یہ نیک کام ہوا ہے تو مجھے اور کیا چاہیے بھلا.....؟" وہ ہلکے سے مسکرائی تھی۔

"ان شاء اللہ! اللہ تمہیں اجر دے گا۔" دادی بی ہر وقت اسے دعائیں ہی دیتی رہتی تھیں اور وہ ان کی اتنی محبت، اپنائیت اور اتنے خلوص پہ ہمیشہ چپ ہو کے رہ جاتی تھی کیونکہ وہ اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی لیکن پھر بھی اس قابل بنا دی گئی تھی.....

"افگن رات کو کب آیا تھا؟" دادی بی نے پوچھا۔

"جلدی آ گئے تھے۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

"تو پھر مجھ سے ملنے کیوں نہیں آیا؟" انہیں اچھنبا ہوا۔

"حواسوں میں نہیں تھے۔" وہ مختصر سا کہہ کے رخ موڑ گئی تھی اور دادی بی اس کے جواب کا مفہوم جان گئیں۔

پھر جب تک انہوں نے نماز اور مائدہ نے سپارہ پڑھا تھا ان کے درمیان خاموشی ہی چھائی رہی لیکن جیسے ہی وہ ان کی وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی باہر لان میں لے کر آئی، ان کی زبان پہ رکے الفاظ بھی باہر نکلنے لگے تھے۔

"اس نے تمہیں کچھ کہا تو نہیں؟" پہلا تشویش بھرا سوال آیا تھا۔

"کہہ بھی لیں تو کیا فرق پڑتا ہے؟" اس نے سر جھٹکا۔

"فرق پڑتا ہے بیٹا! تم اس کی بیوی ہو، اسے تمہارا خیال کرنا چاہیے۔" دادی بی کو مائدہ اور افگن افروز کی طرف سے پریشانی ہو رہی تھی۔

"خیال تو وہ تب کریں گے، جب وہ ہوش میں ہوں گے۔ اور جب وہ ہوش میں ہوتے ہیں۔ تب وہ گھر پہ نہیں ہوتے۔" وہ ذرا سی تلخی سے بولی تھی۔

"میں نے تو سوچا تھا کہ شادی کے بعد بدل جائے گا وہ لیکن....." دادی بی اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے چپ ہو گئیں۔

"یہ شادی میری اور آپ کی مرضی سے ہوئی ہے۔ اگر ان کی مرضی سے ہوتی تو شاید وہ بدل ہی جاتے۔" وہ ٹھیک کہہ رہی تھی اس لیے دادی بی جواباً" کچھ نہ کہہ سکیں۔

"تم نے پوچھا نہیں کہ اس نے ڈرنک کیوں کی۔" کافی دیر بعد انہوں نے دوبارہ سوال کیا۔

"وجہ معلوم ہو تو پوچھنے کا فائدہ؟" اس نے استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن مائدہ! میں تمہیں پہلے بھی سمجھا چکی ہوں کہ اسے اس کے حال پہ مت چھوڑو انٹرفیر کرو اس کی ذات میں۔ حق جتاؤ، بیویوں والے انداز اپناؤ، اسے بتاؤ کہ تم اس کی ہو اور وہ تمہارا ہے....." دادی بی اسے سمجھا رہی تھیں۔

"ہونہہ! میرے بتانے سے میں ان کی اور وہ میرے نہیں ہو جائیں گے، حقیقت کیا ہے یہ آپ بھی جانتی ہیں۔" مائدہ نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے ان کی ڈھلکی ہوئی گرم چادر اٹھا کر ان کے گرد پھیلا دی۔

"لیکن بیٹا! یہ زندگی ہے، جیسے یہ گزارنا چاہتا ہے ویسے زندگی نہیں گزرتی، وہ تو پاگل....."

"پلیز دادی بی! میں آپ کے لیے چائے لے کر آتی ہوں، جب تک آپ یہ اخبار پڑھیں۔" مائدہ نے ان کی بات کاٹتے ہوئے ان کی طرف اخبار بڑھا دیا۔

سورج کی کرنیں سنہرا سنگھار کیے دھوپ کے گھنگھرو باندھے ہر صحن، ہر آنگن میں دن بھر رقص کرنے کے لیے اتر چکی تھیں اور سرد موسم میں ان کے اس رقص سے جو لوگ مسرور ہو رہے تھے، ان میں دادی بی بھی شامل تھیں داخلی دروازے کے سامنے وہ وہیل چیئر پہ بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں، جب مائدہ ان کے لیے چائے بنا کر لائی۔

"تھینک یو بیٹا.....!" انہوں نے نرمی سے کہہ

ہوئے کپ اس کے ہاتھ سے تھام لیا تھا۔

"آپ بھی کمال کرتی ہیں دادی بی! یہ تو میرا فرض بنتا ہے۔ اس میں تھینکس کی کیا ضرورت ہے ــــ بلکہ مجھے تو آپ کا کام کرکے خوشی محسوس ہوتی ہے۔" وہ ایک کرسی کھینچ کر خود بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"بیٹا! آج کل کوئی بھی اپنا فرض اور اپنا حق نہیں مانتا' بڑی جلدی آنکھیں پھیر لیتے ہیں سب۔ ایسے حالات میں اگر کوئی پھر بھی اپنا فرض پورا کرتا ہے تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔" وہ بھی جواباً سنجیدگی سے بولی تھیں۔

مائدہ کچن میں آگئی' اسے افکن کے لیے ناشتا تیار کرنا تھا۔ دادی بی کے اور افکن افروز کے کام وہ خود اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتی تھی۔ عشال سے دوسرے کام کرواتی تھی۔

☼ ☼ ☼

کافی دیر ہوگئی تھی۔ وہ ابھی تک نیچے نہیں آیا تھا' اس لیے مائدہ کو خود ہی اوپر آنا پڑا۔ وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی واش روم سے پانی گرنے کی آواز بتا رہی تھی کہ وہ شاور لے رہا ہے۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھ کے کمبل تہہ کرکے رکھنے لگی بیڈ پہ جھکی وہ بیڈ شیٹ کی شکنیں دور کر رہی تھی' جب واش روم کا دروازہ کھلا اور وہ تولیے سے بال رگڑتا ہوا باہر آیا۔

"گڈ مارننگ ــــ" وہ مائدہ کی موجودگی سے بے خبر ڈریسنگ ٹیبل کی سمت بڑھ رہا تھا' اس کی آواز پہ چونک کر پلٹا تھا۔ وہ پیازی رنگ کے جارجٹ کے نفیس سی کڑھائی والے شلوار سوٹ میں ملبوس نکھری ستھری سی کھڑی ہاتھ میں پکڑا کشن بیڈ پہ رکھے دو تکیوں کے درمیان رکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ رات کے قصے کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس کا چہرا بے تاثر اور انداز بے نیاز سا لگ رہا تھا۔

افکن افروز کی نظریں اس پہ ٹھہری گئیں۔ نم آلود بالوں سے اس کی پوری کمر ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کے بال بے حد گھنے اور سیاہ تھے۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی ــــ؟" وہ گلاس اور خالی مشروب کی بوتلیں ٹرے میں رکھتے ہوئے بولی تو افکن افروز چونک گیا۔

"کیا ہوا ہے میری طبیعت کو ــــ میں تو بالکل ٹھیک ہوں؟" وہ بے ساختہ حیرانی سے بولا۔

"ابھی ٹھیک ہیں ناں' رات کو ٹھیک نہیں تھے۔ رات کو تو آپ کی طبیعت خاصی خراب تھی۔"

"رات کو ــــ؟" وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کے لب بھینچ گیا۔

"جی رات کی ہی بات کر رہی ہوں۔" وہ زور دے کر بولی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو ــــ؟" وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"جو آپ سمجھ نہیں پا رہے۔" وہ استہزائیہ ہنسی اور اسی ہنسی پہ غصے میں آکر افکن افروز نے اس کا بازو دبوچ لیا۔

"میں کیا سمجھتا ہوں اور کیا نہیں ــــ تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ سمجھیں تم؟" اس نے مائدہ کے بازو کو جھنجوڑا۔

"کیوں مطلب نہیں ہونا چاہیے؟ میں آپ کی بیوی ہوں' ملازمہ نہیں ــــ"

"میں بیوی کو ملازمہ سے زیادہ کا درجہ نہیں دیتا۔" وہ حقارت سے بولا تھا۔

"تو پھر شادی کیوں کی تھی؟" مائدہ جانتی بھی تھی پھر بھی سوال کر بیٹھی۔

"کیونکہ ایک ملازمہ کی ضرورت تھی مجھے' میرے گھر کو' میری دادی بی کو' اس لیے ضرورت کے لیے کرنا پڑی۔"

"لیکن یہ ضرورتیں تو کوئی اور ملازمہ بھی پوری کر سکتی تھی ــــ!"

"ہاں کر سکتی تھی لیکن صرف گھر کی ضرورتیں۔ میری ضرورتیں وہی ملازمہ پوری کر سکتی تھی جس کے ساتھ "بیوی" کا دم چھلا ہوتا۔"

"یہ کام تو عیشاں بھی کر سکتی تھی' اسے بھی آپ "بیوی" کا دم چھلا پہنا سکتے تھے؟"

"نہیں! اسے نہیں پہنا سکتا تھا کیونکہ وہ ایک سادہ سی' نیند کی دیوانی اور اپنی ذات میں مست رہنے والی لڑکی ہے۔ تمہاری طرح اس نے کبھی افکن افروز پہ اور اس کے گھر پہ بری نظر نہیں ڈالی' کبھی حسرت سے نہیں دیکھا' میں کیا ہوں' اور کیا نہیں ہوں۔۔۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اپنے کام سے کام رکھتی ہے' بدنیتی نہیں دکھاتی۔"

افکن افروز نے اس کی ذات کے پرخچے اڑا دیے تھے۔ مائدہ کے چہرے کی رنگت متغیر ہو گئی۔ اس نے پل بھر میں اس کا سارا زعم' سارا غرور توڑ کے رکھ دیا تھا۔ وہ جواباً کچھ کہنے کے قابل ۔۔۔ نہیں رہی۔

"تم کیا سمجھتی ہو کہ میں انجان ہوں۔۔۔ کیا میں نہیں جانتا کہ تم نے مجھ سے شادی کیوں کی۔۔۔؟"

اس نے مائدہ کی تحیر سے پھیلی ہوئی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے طنزیہ انداز میں پوچھا تھا۔

"آپ واقعی نہیں جانتے کہ میں نے آپ سے شادی کیوں کی۔۔۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے دولت کی ہوس تھی اور میں یہ سب آسائشات پانا چاہتی تھی تو یہی سہی' مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا مجھے آپ کا نام مل گیا میرے لیے یہی کافی ہے۔"

مائدہ آہستگی سے کہتی ہوئی رخ موڑ گئی تھی' مبادا وہ اس کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھ لے۔

"تو پھر جھگڑا کس بات کا ہے؟ تم جو چاہتی تھیں' وہ مل گیا' وہ کافی ہے تو پھر خوش رہو' میرے معاملات میں انٹرفیر کیوں کرتی ہو؟"

"میں نے آپ کے معاملات میں انٹرفیر نہیں کیا' صرف آپ کی طبیعت پوچھی ہے۔" مائدہ کا لہجہ بھیگ رہا تھا۔

"مت پوچھو میری طبیعت' مجھ سے کچھ بھی مت پوچھو کیونکہ میں بتاؤں گا ہی نہیں۔"

وہ سختی سے کہہ رہا تھا اور مائدہ لب بھینچ کر چپ ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔

"صاحب جی! بڑی بیگم صاحبہ نیچے بلا رہی ہیں' وہ ناشتے پہ آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" دستک کے بعد عیشاں کی آواز سنائی دی تھی' جسے دادی بی نے پیغام دے کر بھیجا تھا۔

مائدہ آنکھوں کے گوشے ہاتھ کی پشت سے رگڑتی ہوئی باہر نکل گئی تھی اور افکن افروز نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تولیہ نفرت سے بیڈ پہ اچھال دیا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"ہونہہ! یہ عورتیں۔۔۔!"

☼ ☼ ☼

وہ صبح نو بجے آفس آیا تھا اور اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے۔ وہ ابھی تک آفس میں ہی تھا۔ اسے مسلسل نو گھنٹے ہو چکے تھے کام کرتے ہوئے۔ لنچ بھی نہیں کیا تھا صرف چائے اور سگریٹوں پہ گزارا ہو رہا تھا اور ابھی بھی نجانے اور کتنا مصروف رہتا کہ اچانک اس کے ایک دوست کا فون آ گیا۔

"ہیلو۔۔۔؟" اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے فون اٹھایا کی۔

"حسام بات کر رہا ہوں۔"

"جانتا ہوں' بولو؟" اس نے لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پہ انگلیاں چلاتے ہوئے پوچھا۔

"تم ولیمہ کے فنکشن میں نہیں آ رہے کیا۔۔۔؟"

"نہیں۔" اس نے دوٹوک لہجے میں انکار کر دیا۔

"ہوں! مجھے بھی تم سے یہی امید تھی بلکہ کئی لوگوں کو تم سے یہی امید تھی۔" حسام نے طنز کیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟" افکن افروز کی انگلیاں تھم گئیں۔

"کل شادی کے فنکشن میں تمہاری حالت بتا رہی تھی کہ تم ولیمہ اٹینڈ نہیں کرو گے اس لیے کہہ رہا ہوں۔"

"کیوں؟ کیا ہوا تھا میری حالت کو۔۔۔ ٹھیک ٹھاک ہی تو تھی۔۔۔" وہ انجان بنتے ہوئے بولا۔

"تم جتنے ٹھیک ٹھاک ہو' یہ پورا شہر جانتا ہے۔ تمہارے چلے جانے کے بعد بھی چہ میگوئیاں ہوتی ہیں لیکن تمہیں کچھ خبر بھی ہو تب ناں...... تم تو دیوانے ہو گئے اور بس۔"

حسام کو کل رات سے غصہ تھا' اسی لیے اس کی کلاس لے رہا تھا۔ اسے افگن افروز کا یوں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے فنکشن سے چلے جانا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

"میں اس محفل میں نہیں بیٹھ سکتا جہاں 'وہ' بھی موجود ہو۔ مجھ سے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تمہیں اگر میرا اتنا ہی خیال تھا تو تم نے اسے انوائٹ کیوں کیا تھا؟" افگن افروز کو حسام پہ غصہ آیا۔

"یار! ہم دونوں تو شروع سے دوست ہیں لیکن کچھ کاروباری دوست احباب بھی تو ہوتے ہیں ناں؟ انہیں بھی تو انوائٹ کرنا تھا اور تم جانتے ہو جمال پیرزادہ بھی میرے کاروباری دوست احباب میں شامل ہوتا ہے' مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے انویٹیشن کارڈ بھیجنا پڑا تھا' لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ اس کے ساتھ......" حسام کہتے کہتے چپ ہو گیا تھا۔

"تمہیں پتا نہیں تھا لیکن اندازہ تو ہونا چاہیے تھا ناں......؟" افگن افروز بمشکل اپنا غصہ ضبط کر رہا تھا۔

"اندازہ تھا' اسی لیے تو تمہیں بھابھی کو ساتھ لانے کے لیے کہا تھا۔" حسام بے ساختہ بول گیا اور افگن افروز اس کی بات پہ ٹھٹک گیا تھا۔

"کیوں' اسے کیوں ساتھ لے کر آتا......؟" افگن افروز کا لہجہ اور انداز تیکھا تھا۔

"تاکہ دوسروں کو بھی پتا چلتا کہ تم شادی کر چکے ہو اور اپنی میرڈ لائف میں بہت خوش ہو' تمہارے لیے کسی کا ہونا یا نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

حسام کی بات پہ وہ حیران رہ گیا تھا۔ اس نے کتنی گہری اور کتنے کام کی بات کہی تھی' جو خود اس کی عقل میں آج تک نہیں آئی تھی۔

"دیکھو افگن......! صرف جلنا ہی نہ سیکھو' جلانا بھی سیکھو' جلنا فن نہیں ہوتا' کسی کو جلانا فن ہوتا ہے اور تمہیں یہ فن نہیں آتا۔ کبھی آزما کر دیکھو' بڑا لطف پاؤ گے۔ تمہارے سینے میں جلتی آگ پہ پھوار برسے گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میرا نام بدل دینا۔ اپنی لائف کو ایسا بناؤ کہ دیکھنے والے رشک کریں اور ہاتھ سے نکلے وقت پہ پچھتائیں۔ پچھتاوا اپنا مقدر بنانے سے بہتر ہے کہ کسی اور کا مقدر بنا دو......" حسام نے اس کی سوچ کے کئی در وا کر دیے تھے۔ افگن افروز کے دماغ میں جھماکا ہوا تھا......!

☼ ☼ ☼

شام کے سائے ڈھل چکے تھے۔ پوری کائنات پہ ملگجا سا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ وہ واپس گھر آ رہا تھا۔ سڑک پہ بھاگتی دوڑتی گاڑیوں میں ۔ اس کی گاڑی کی اسپیڈ سب سے زیادہ تھی کیونکہ وقت کم تھا اور اسے وقت پہ پہنچنا تھا۔ وہ کافی تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا' اسی لیے بڑی جلدی گھر پہنچ گیا تھا۔ چوکیدار نے اس کی گاڑی دیکھتے ہی گیٹ کھول دیا تھا۔ اس کی سلور کلر کی پراڈو فراٹے بھرتی ہوئی اندر گیٹ کے سامنے والی روش پہ آرکی۔ گاڑی سے اتر کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اندر آ گیا۔

"السلام علیکم......!" اس نے ڈرائنگ روم میں بیٹھی دادی بی کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام......" دادی بی اس کے سلام سے ہی چونک گئیں۔ انہیں اس کا لہجہ بدلا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی......؟" وہ چند قدم چلتا ہوا ان کے قریب آ گیا تھا۔

"میری طبیعت تو ٹھیک ہے لیکن تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی......" دادی بی اس کے بدلے ہوئے تیور بھانپ چکی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں' وہ...... وہ لڑکی کہاں ہے؟" افگن افروز نے مائدہ کے بارے میں پوچھا لیکن کتراتے ہوئے انداز میں۔

"کون لڑکی؟" دادی جان تو چکی تھیں لیکن اس کے منہ سے اگلوانے کے لیے جان بوجھ کر استفسار کیا تھا۔

"وہی لڑکی جو یہاں کام کرتی ہے۔" وہ نام لینے سے گریز کر رہا تھا۔

"اچھا عیشاں کی بات کر رہے ہو۔۔۔ وہ کچن میں ہے۔" انہوں نے کچن کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں 'میں دوسری لڑکی کی بات کر رہا ہوں۔"

"دوسری لڑکی کون ہے اس گھر میں۔۔۔" وہ جھنجلا کر بولی تھیں۔

"وہ کیا نام ہے اس کا۔۔۔ ہاں مائدہ 'اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

"او اچھا! تو یوں کہو ناں کہ تم اپنی بیوی کی بات کر رہے ہو؟ وہ بھلا کہاں ہو گی؟ کچن میں کھانا تیار کر رہی ہے۔" دادی بی نے بھی انجان بننے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

"مجھے اس سے کام ہے 'میں بھی آتا ہوں۔" وہ کہہ کر ڈرائنگ روم سے نکل آیا 'اس کا رخ کچن کی طرف تھا۔

"بس بھی کریں چھوٹی بیگم صاحبہ! اس ہنڈیا کو اور کتنا بھوننا ہے۔۔۔؟" عیشاں کی آواز کچن سے باہر تک آ رہی تھی۔

"دادی بی بتا رہی تھیں جب تک ہنڈیا اچھی طرح بھنی ہوئی نہ ہو 'افلن کو پسند نہیں آتی' وہ سالن یونہی چھوڑ دیتے ہیں۔"

"خیر 'آپ صرف ہنڈیا کی ہی بات نہ کریں 'انہیں تو لوگ بھی بھنے ہوئے ہی پسند ہیں اور جو بھنے ہوئے نہیں ہوتے 'انہیں وہ خود بھون دیتے ہیں۔" عیشاں مذاق اڑانے والے انداز میں بولی تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے عیشاں 'وہ صاحب ہیں تمہارے 'ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے تمیز سے کام لیا کرو۔" مائدہ نے اسے فوراً" ڈانٹ دیا تھا اسے عیشاں کا یوں مذاق اڑانا اچھا نہیں لگا تھا۔

"سوری بیگم صاحبہ! میں تو بس۔"

"تم دادی بی سے اور مجھ سے ہنسی مذاق کر لیتی ہو یہی کافی ہے 'لیکن اس سے زیادہ اوور ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" مائدہ نے عیشاں کو اس کی حد یاد دلا دی تھی اور افلن افروز اس کا انداز دیکھتا رہ گیا تھا۔

"مائدہ۔۔۔!" اس نے بمشکل اسے نام سے پکارا تھا اور چولہے کا بٹن بند کرتی مائدہ اس کی آواز پہ یکدم کرنٹ کھا کے پلٹی تھی 'اسے یقین نہیں آیا تھا کہ اسے افلن افروز نے پکارا ہے۔

"آپ نے مجھے بلایا ہے۔۔۔؟" اس کی بے یقینی اس کے لہجے میں بھی سمائی ہوئی تھی۔

"ہاں! میرے ساتھ آؤ۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"

وہ سرہلا کر کہتا ہوا واپس پلٹ گیا اور مائدہ ہاتھ میں پکڑا چھوٹا سا کپڑا عیشاں کو تھما کے اپنا دوپٹہ درست کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

"اللہ خیر!" سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے اللہ سے خیر کی دعا مانگی۔ دل عجیب سا دھڑک رہا تھا کیونکہ افلن افروز نے پہلی بار اسے پکارا تھا اور اس نے پہلی بار اس کا یہ روپ دیکھا تھا' اسی لیے دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے بمشکل اپنی تمام ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے اندر کمرے میں قدم رکھا۔ وہ سامنے ہی منتظر کھڑا نظر آیا تھا۔

"جی" وہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

"میرے دوست حسام کو جانتی ہو ناں۔۔۔؟"

"جی۔۔۔!" اس نے اثبات میں سرہلایا۔

"کل اس کی شادی تھی۔"

"تو۔۔۔؟" مائدہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آج اس کا ولیمہ ہے۔"

زندگی میں پہلی بار افلن افروز کو بات کرتے ہوئے مشکل پیش آ رہی تھی' اس لڑکی کو جسے وہ ہمیشہ سے دھتکارتا آ رہا تھا' اسے آج یوں ایک دم سے بیوی کا درجہ دینا اور اس طرح بات کرنا بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔

"پھر۔۔۔؟" وہ یک لفظی سوال کر رہی تھی۔

"اس نے ہمیں ولیمہ کے فنکشن میں انوائٹ کیا ہے۔" اس کی بات پہ مائدہ نے پلکیں اٹھا کر براہ راست اس کی بوجھل آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"اس نے تو غالباً ہمیں کل بھی انوائٹ کیا تھا؟"
"ہاں کیا تھا، لیکن کل میں جلدی میں تھا اس لیے اکیلا ہی چلا گیا۔" اس نے بات ٹالی۔
"جلدی میں تو آپ اس وقت بھی ہیں؟" مائدہ نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔
"کیا ارادہ ہے تمہارا... کیا تم میرے ساتھ جانا نہیں چاہتیں؟" اس نے ذرا ٹھہر کر دوٹوک پوچھا۔
"جانے کو تو آپ مجھے جہنم میں بھی لے جائیں گے تو ساتھ چلوں گی' انکار کا تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔" وہ ہلکے سے سر جھٹک کر بولی۔
"تمہارے پاس فنکشن میں پہننے کے لیے ساڑھی ہوگی؟" افلن افروز نے اپنی نفرت کا سر کچلتے ہوئے بمشکل سوال کیا۔
"آپ نے پہلے کبھی مجھے ساڑھی پہنے دیکھا ہے؟"
"لیکن آج میں تمہیں ساڑھی میں دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔
"ساڑھی میں دیکھنا چاہتے ہیں یا ساڑھی میں دکھانا چاہتے ہیں؟" افلن افروز اس کی بات پہ ٹھٹک گیا تھا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے تیوری پہ بل ڈالتے ہوئے پوچھا تھا۔
"میرے مطلب کو چھوڑیں' آپ اپنی بات کریں۔ کیا کہہ رہے تھے آپ؟"
"میرے ساتھ مارکیٹ چلو' کسی اچھے بوتیک سے ساڑھی لے کر آتے ہیں۔ ٹائم بہت کم ہے' چلو میرے ساتھ۔" وہ کہتے ہوئے دروازے کی سمت بڑھ گیا۔
"میں مارکیٹ نہیں جاؤں گی۔" وہ اپنی جگہ پہ کھڑی رہی۔ اس نے افلن افروز کے پیچھے قدم نہیں بڑھائے۔
"کیوں؟" وہ دروازے کے قریب جا کر رک گیا۔
"کیونکہ میں ساڑھی نہیں پہنوں گی۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔
"کیوں نہیں پہنو گی؟ کیا برائی ہے ساڑھی پہننے میں؟" وہ دوبارہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔
"تو اس میں اچھائی کیا ہے؟" اس نے الٹا افلن سے سوال کر ڈالا۔
"کیا یہ اچھائی کم ہے کہ یہ لباس مجھے پسند ہے' میں تمہیں پہننے کے لیے کہہ رہا ہوں...؟" وہ اپنا مزاج ٹھنڈا رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بات کر رہا تھا۔
"آپ نے صرف مجھے ساڑھی پہننے کے لیے کہا ہوتا تو شاید میں ساری زندگی ساڑھی اپنے تن سے جدا نہ کرتی' لیکن افسوس کہ آپ کی یہ فرمائش "صرف میرے لیے" نہیں ہے۔"
مائدہ نے اسے لیکچر دے ڈالا تھا اور افلن افروز اس کے اس لیکچر پہ چونک گیا تھا۔
"آپ فیصلہ کرلیں۔ میں تب تک دادی کو بتا کر آتی ہوں کہ میں آپ کے ساتھ جا رہی ہوں۔"
وہ کہہ کے باہر نکل گئی تھی اور افلن افروز وہیں بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ تیار ہو کر بیڈ روم سے باہر نکلی ہی تھی کہ سامنے سے آتے افلن افروز کے قدم بری طرح ٹھٹک کر تھم گئے تھے۔ پہلی نظر میں تو وہ پہچان ہی نہیں پایا تھا کہ وہ عام سے حلیے میں رہنے والی عام سی لڑکی مائدہ ہی ہے... افلن کی نظریں بے یقین تھیں' شاید اس لیے کہ اس نے اسے اس طرح سر تا پا پہلی بار دیکھا تھا ورنہ آج سے پہلے جب بھی اسے دیکھا تھا' ہوش و خرد سے بیگانہ ہو کر دیکھا تھا۔ نشے کی حالت میں تو اسے یہ بھی پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ اچھی طرح لگ رہی ہے یا بری...؟ لیکن آج اسے دیکھ کر لگ رہا تھا کہ "وہ عام سی لگتی ہے' پر عام سی ہے نہیں!"
وہ کتنی خاص ہے یہ تو وہ جانتا ہی نہیں تھا' اسی لیے تو اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سیاہ رنگ کے بے حد قیمتی اور نفیس سی لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس تھی۔ اس کے دوپٹے اور قمیص پہ سیاہ ہی ریشمی دھاگے سے کامدار بارڈر بنا ہوا تھا اور اس دھاگے کے کام میں کہیں کہیں سلور کانچ کے موتی چمک رہے تھے جیسے کالی رات میں چمکتے ستارے۔ اس

نے ہم رنگ ہیل والی سینڈل پہن رکھی تھی۔ بالوں کو ہیئرپن کی مدد سے تیکھا سا ہیئر اسٹائل دیا تھا اور ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ اس کی شفاف دمکتی جلد اور بھی جگمگا رہی تھی۔ جیولری میں اس نے آویزے اور صرف بریسلٹ پہنا ہوا تھا۔ افکن افروز تو اس کی چھب دیکھتا رہ گیا تھا' وہ کتنی خوب صورت اور پرکشش لگ رہی تھی' وہ اسے بتا بھی نہیں سکتا تھا۔

"چلیں.....؟" مائدہ اسے ایک ہی جگہ ٹھہرے دیکھ کر خود ہی قریب آگئی تھی۔

"ہوں! ہاں چلیں۔" وہ چونک کر متوجہ ہوا تھا۔ مائدہ اس کے ساتھ سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آگئی۔

"خدا حافظ دادی بی!" وہ انہیں خدا حافظ کہنے ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔

"ماشاء اللہ! اللہ نظر بد سے بچائے۔ اللہ میرے بچوں کی جوڑی سلامت رکھے.....فی امان اللہ۔"

انہوں نے ان دونوں کی بلائیں لے ڈالی تھیں اور انہیں دعاؤں میں رخصت کیا تھا۔

"میں نے حسام اور اس کی وائف کے لیے شادی کا گفٹ لیا تھا لیکن کل اسے دے نہیں سکا۔ گاڑی میں ہی رہ گیا تھا' اس لیے اب یہ گفٹ تم انہیں اپنی طرف سے دے دینا۔" افکن نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ رکھے گفٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"اپنی طرف سے... کیا میں اور آپ الگ ہیں.....؟" مائدہ نے نکتہ اٹھایا۔

"کہہ سکتی ہو۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔

"کہہ تو میں اور بھی بہت کچھ سکتی ہوں لیکن ڈرتی ہوں کہ آپ کو تکلیف نہ ہو۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"میری تکلیف سے نہ ڈرو۔ اپنی تکلیف سے ڈرو کہ تمہیں اپنے کیے یہ سزا بھی مل سکتی ہے اور میری دی ہوئی سزا کو تم سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا۔"

"ہاں! اس معاملے میں تو واقعی خوش قسمت ہوں کہ آپ نے آج تک اگر سزا دی ہے تو صرف مجھے ہی دی ہے۔ وہ بھی ان گناہوں کی جو میں نے نہیں کسی اور نے کیے ہیں۔" مائدہ کے لب و لہجے میں تلخی اتر آئی تھی۔

اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا اچانک اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے سیل نکال کر دیکھا نمبر اجنبی تھا۔

"ہیلو! افکن افروز اسپیکنگ۔" اس نے بہت نپے تلے اور شائستہ سے انداز میں کہا۔

"السلام علیکم بیٹا! کیسے ہو؟" دوسری طرف کسی عورت کی آواز سنائی دی تھی لیکن وہ پہچان نہیں پایا تھا۔ افکن کے لیے فون پہ یہ آواز یکسر اجنبی تھی۔

"وعلیکم اسلام! میں ٹھیک ہوں' آپ کون ہیں؟" اس نے ذرا الجھ کر پوچھا تھا۔

"بیٹا.....! میں حلیمہ بات کر رہی ہوں' مائدہ کی امی۔" انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔

"مائدہ کی امی.....؟"

افکن افروز نے خود کلامی کے سے انداز میں کہتے ہوئے ذرا سی گردن موڑ کر مائدہ کی سمت دیکھا تھا لیکن مائدہ اس کے منہ سے اپنی امی کا ذکر سن کے بری طرح چونک گئی تھی اور نجانے کیوں پل بھر میں اس کے چہرے کی رنگت بھی متغیر ہو گئی تھی لیکن شکر تھا کہ اس کے ایسے تاثرات اور ایسی کیفیت کا افکن افروز نے کچھ خاص نوٹس نہیں لیا تھا' شاید اس لیے کہ اس کا دھیان پہلے ہی دو طرف بٹا ہوا تھا' ایک ڈرائیونگ کی طرف اور ایک فون کی طرف!

"کیسی ہیں آپ؟" نجانے وہ کس موڈ میں تھا کہ ان کا حال چال بھی پوچھ رہا تھا ورنہ پہلے تو اس نے یہ زحمت بھی کبھی نہیں کی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا! تم سناؤ کیسے ہو۔" انہوں نے کافی جھجک کر پوچھا تھا کیونکہ پہلے اس سے بات جو نہیں ہوئی تھی۔

"میں بھی ٹھیک ہی ہوں آپ سنائیں آج آپ نے کیسے یاد کر لیا؟" وہ حلیمہ بی بی سے بات تو کر رہا تھا

لیکن مائدہ کا دل اندر ہی اندر ٹھہرا رہا تھا۔ اس کی بے چینی اس کی ہتھیلیوں میں اتر آئی تھی۔

"بس بیٹا! اتنے دن ہو گئے تھے۔ مائدہ کی طرف سے کوئی خیر خبر نہیں ملی' اس لیے سوچا آج خود ہی پتا کر لوں کافی دیر سے تم لوگوں کے گھر کے نمبر پہ فون کر رہی تھی لیکن کسی نے فون ہی نہیں اٹھایا' اس لیے پریشان ہو کر تمہارے نمبر پہ فون کر دیا۔ اب پتا نہیں تم مصروف تھے یا فارغ' میں تو اپنی پریشانی میں تمہیں ڈسٹرب کر بیٹھی ہوں۔"

وہ شرمندہ سے لہجے میں بات کر رہی تھیں' افلن افروز کو ان کی شرمندگی پہ خود شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔ آج ذرا دیر کے لیے ہی سہی وہ سرد مہری کے خول سے نکلا ہوا تھا' اس لیے محسوسات جاگے ہوئے تھے' تب ہی اسے شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔

"نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم دراصل ایک فنکشن میں جا رہے ہیں۔ مائدہ بھی ساتھ ہی ہے۔ آپ اس سے بات کر لیں' میں ڈرائیو کر رہا ہوں' خدا حافظ۔" اس نے ان کی جھجک اور شرمندگی محسوس کرتے ہوئے موبائل مائدہ کی طرف بڑھا دیا تھا۔ اور مائدہ نے بمشکل اپنے تاثرات کنٹرول کرتے ہوئے موبائل اس کے ہاتھ سے لے کر کان سے لگایا تھا۔

"السلام علیکم امی!" اس کا لہجہ بے حد دھیما اور آواز دبی دبی سی تھی۔

"وعلیکم السلام میری بچی! کیسی ہو۔۔۔ اتنے دنوں سے ماں کی کوئی خیر خبر نہیں لی تم نے' اور نہ ہی اپنا حال چال بتایا؟"

وہ بہت پیار اور محبت بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔ ان کی اداسی مائدہ کو ان کے لہجے سے ہی محسوس ہو گئی تھی۔

"بس گھر کے کاموں میں اور دادی بی کے ساتھ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا اور آپ کے پاس تو فون بھی نہیں ہے' جس پہ کال کر کے میں آپ کی خیر خبر لے سکوں؟"

"شیخ صاحب کا فون ہے تو سہی۔۔۔" حلیمہ بی بی بے ساختگی میں کہہ گئیں لیکن پھر خود ہی چپ بھی ہو گئی تھیں لیکن اسی ذرا سی دیر میں مائدہ کے جسم کا سارا خون جیسے زرد پڑ گیا تھا۔ اس نے بے ساختہ ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے اپنی پیشانی اور چہرے سے نادیدہ پسینے کو تھپتھپا کے خشک کیا تھا۔

"ٹھیک ہے امی! آپ فون بند کریں۔ میں خود آپ کو کال کر لوں گی اس وقت ہم راستے میں ہیں۔"

اس نے فوراً" انہیں ٹال دیا لیکن وہ اس کی کیفیت سمجھ گئی تھیں۔

"ٹھیک ہے' اللہ تم لوگوں کو خیر و عافیت سے منزل پہ پہنچائے' ہم بعد میں بات کر لیں گے۔ اپنا خیال رکھا کرو' اللہ حافظ۔۔۔!" انہوں نے بھی بات کو طول دیے بغیر بات سمیٹ دی تھی اور مائدہ نے گہری سانس کھینچتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔۔۔ اور اپنے آپ کو پرسکون کرنے کے لیے اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر پلکیں موند لی تھیں اور اس کے برابر والی سیٹ پہ بیٹھا افلن افروز بظاہر تو ڈرائیونگ میں ہی مصروف نظر آ رہا تھا لیکن اس کا دھیان کہاں تھا؟ مائدہ ہرگز نہیں جان سکی تھی۔

"اپنی امی کی کال پہ تم اتنا گھبرا کیوں گئی تھیں؟"

اس کے ٹھہرے ہوئے لہجے اور مبہم سے سوال پہ مائدہ نے کرنٹ کھا کر پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور افلن افروز کی طرف عجیب بدحواس اور متوحش سی نظروں سے دیکھا تھا گویا وہ اس کی کیفیت اور اس کے تاثرات سے اتنا انجان بھی نہیں تھا جتنا نظر آ رہا تھا۔ وہ اک نظر میں ہی اس کی کیفیت فوراً" بھانپ گیا تھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ میرے سوال پہ تو تم اور بھی گھبرا گئی ہو؟" اس نے سامنے ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹاتے ہوئے مائدہ کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"نن نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے فوراً" نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"تمہارے چہرے سے تو ایسی ہی بات نظر آ رہی

ہے۔"
وہ بڑے یقین سے کہہ رہا تھا۔ مائدہ نے اس کی بوجھل مگر گہری نظروں کے خوف سے پلکیں جھکالی تھیں۔

"نہیں بس میرا ان کی تنہائی اور اکیلے پن کی طرف خیال چلا گیا تھا۔"

"تنہائی اور اکیلا پن؟"

"جی! دراصل جب میں ان کے پاس تھی تو انہیں بڑا سہارا رہتا تھا۔ کام کاج بھی نہیں کرنا پڑتا تھا اور اگر وہ بیمار ہوتی تھیں تو تب بھی میں ہی ان کی دیکھ بھال کرتی تھی، مگر اب تو ان کے پاس کوئی بھی نہیں ہے، سارا دن اکیلے گھر میں بیٹھے گزر جاتا ہو گا۔" اپنی ماں کی پریشانی کے خیال سے ہی مائدہ کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"کیوں اکیلے کیوں.... ان کے ہزبینڈ، میرا مطلب ہے کہ تمہارے والد صاحب وہ بھی تو ہوتے ہیں.... ان کے ہوتے ہوئے بھی اکیلا پن ہوتا ہے؟" اس نے ذرا سی حیرانی ظاہر کی۔

"جی! وہ اپنی شاپ پہ ہوتے ہیں، صبح جاتے ہیں اور شام کو آتے ہیں اس لیے دن کا وقت تو اکیلے ہی گزرتا ہے نا؟"

"وہ تو ہر بیوی کا گزرتا ہے۔"

"لیکن جن بیویوں کے پاس بچے ہوتے ہیں ان کا وقت اچھا گزر جاتا ہے۔ جب میں ان کے پاس تھی تب ان کا وقت بھی اچھا ہی گزرتا تھا اب میری شادی کے بعد انہیں تنہائی اور اکیلا پن محسوس ہونے لگا ہے۔"

مائدہ خود کو کافی حد تک سنبھال چکی تھی اس لیے آسانی سے بات کر لی تھی۔

"ہوں! یہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہو تم جن عورتوں کے پاس بچے ہوں وہ مصروف رہتی ہیں، بچے واقعی بہت پیارے اور......"

اپنی دھن میں کچھ کہتے کہتے اسے نجانے کیا خیال آیا کہ اس نے یکدم لب بھینچ لیے۔ اس کے نارمل سے چہرے پہ سرد و سپاٹ سی کیفیت جم گئی تھی۔ مائدہ نے پلکیں اٹھا کر اس کی خاموشی پہ اس کا بغور جائزہ لیا تھا۔ وہ جان چکی تھی کہ اس کی خاموشی کا سبب کیا ہے....؟

ان دونوں کے ذہنوں میں اپنی اپنی اذیت کے جھکڑ سے چل رہے تھے اور وہ دونوں سوچوں کی تیز آندھی میں بھٹکتے ہوئے اپنی زندگی اور اپنے حال سے کئی قدم پیچھے چلے گئے تھے۔ وہ ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ سیٹ سے سر ٹکائے بیٹھی سامنے سڑک پہ دیکھ رہی تھی.....!

☼ ☼ ☼

حلیمہ بی بی کو تقریباً" تین گھنٹے ہو گئے تھے بازار گئے ہوئے لیکن ابھی تک ان کی واپسی کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا اور اس کی جان خشک پتے کی طرح لرز رہی تھی۔ وہ ایک ایک سیکنڈ، منٹ اور گھڑیاں گن رہی تھی۔ جیسے جیسے وقت آگے بڑھ رہا تھا اس کا خون خشک ہو رہا تھا اور ہتھیلیوں میں ٹھنڈا پسینہ اتر رہا تھا۔ دل عجیب سی گھبراہٹ کا شکار تھا۔ اس نے تین بار آیت الکرسی پڑھ کے خود پہ پھونکی اور اماں کی واپسی کی دعا کرنے بیٹھ گئی، ابھی چند سیکنڈ ہی گزرے تھے کہ دروازے پہ زور دار دستک ہوئی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ اس کی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ یہی پوچھ لیتی کہ باہر کون ہے.... ؟ وہ لبوں کو سیے چپ بیٹھی رہی، مگر دوسری بار دروازہ پہلے سے بھی زیادہ زور سے بجا تھا اور اب کی بار چپ رہنا مشکل تھا....

"ک.... کون ہے؟" اس کے حلق سے بمشکل آواز برآمد ہوئی تھی۔

"میں ہوں شیخ زمان، دروازہ کھولو۔" باہر سے سنائی دینے والی آواز نے اس کے ہاتھ پیر سُن کر دیے تھے۔ وہ جس عفریت سے بچنے کے لیے تمام دروازے بند کیے بیٹھی تھی، وہی دروازے پہ کھڑی اسے دروازہ کھولنے کو

کہہ رہی تھی۔

"مم... مگر اماں تو گھر پہ نہیں ہیں۔" اس نے جیسے دروازہ نہ کھولنے کا بہانہ ڈھونڈا تھا۔

"اماں گھر پہ کیسے ہوں گی... اماں تو باہر کھڑی ہے تیری۔" شیخ زمان کی چبائی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

"باہر...؟" اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"مائدہ! دروازہ کھولو بیٹا! کیا بحث لگا رکھی ہے...؟"

باہر سے اماں کی آواز سنائی دی تو اس کے جسم میں ٹوٹتی ہوئی جان دوبارہ سے سرایت کر گئی تھی اور پلک جھپکتے میں اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تھا اور دروازہ کھلتے ہی جہاں اماں نے اسے تعجب آمیز نظروں سے دیکھا تھا' وہیں شیخ زمان نے اسے بڑی خشمگیں نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ اپنی پسینے سے نم آلود پیشانی دوپٹے سے پونچھتی ہوئی سامنے سے ہٹ گئی۔ وہ دونوں اندر آ گئے تھے۔

"کیا بات ہے' دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھیں؟" اماں نے ہاتھوں میں پکڑے تھیلے برآمدے میں بچھے تخت پہ ڈھیر کر دیے تھے۔ سودا سلف کافی زیادہ تھا' اس لیے ان کے بازو تھک چکے تھے۔ مائدہ "فوراً" باورچی خانے میں جا کر ان کے لیے پانی لے آئی تھی۔

"تمہاری اماں پوچھ رہی ہیں کہ تم دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھیں...؟" اس کی خاموشی پہ شیخ زمان نے جان بوجھ کر اماں کا سوال دہرایا۔

"وہ میں سمجھی کہ آپ کی دکان سے کوئی لڑکا آیا ہے کسی کام سے اور اماں کا پوچھ رہا ہے' اسی لیے میں نے کہہ دیا کہ اماں گھر پہ نہیں ہیں۔" اس نے بروقت بہانا ترتیب دیا تھا۔

"حالانکہ میں نے خود بول کر بتایا تھا کہ میں ہوں شیخ زمان؟" شیخ زمان نے اپنی بات پہ زور دے کر کہا تھا۔

"میں نے سنا نہیں تھا..." اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو...؟" اماں کی سانسیں ہموار ہوئیں تو بیٹی کے چہرے کی سمت دیکھنے کا خیال آیا تھا۔

"نن... نہیں میں بھلا کیوں گھبراؤں گی...؟" اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا اور نظریں چرا لی تھیں۔

"آج گرمی بہت ہے' بار بار پسینہ آ رہا ہے اچھا ہوا' آپ پہلے آ گئیں' ورنہ میں تو نہانے جا رہی تھی اور آپ گلی میں کھڑی ہو کے میرا انتظار ہی کرتی رہتیں۔"

وہ بات کو ادھر ادھر ٹالتی ہوئی کمرے سے اپنے کپڑے اٹھا کر باتھ روم میں گھس گئی کافی دیر ٹھنڈے پانی سے شاور لینے کے بعد اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تھے اور دل و دماغ بھی پرسکون ہو چکے تھے کیونکہ اب اسے کوئی ڈر اور کوئی خوف نہیں تھا۔ اب اماں جو گھر پہ تھیں... لیکن شیخ زمان کی فرمائش نے اس کا سارا سکون غارت کر ڈالا تھا۔ اس کے اعصاب میں پھر سے تناؤ آ گیا تھا۔

"حلیمہ! میں اندر کمرے میں پنکھے کے نیچے بیٹھتا ہوں' تو ایک گلاس شربت کا بنوا کے اندر کمرے میں بھیج دے۔ آج گرمی بہت ہے' بار بار پیاس لگ رہی ہے۔"

وہ مائدہ پہ اک چبھتی ہوئی نظر ڈال کے اندر چلا گیا تھا اور مائدہ تلملا کے رہ گئی ظاہر ہے اماں تھکی ہوئی آئی تھیں وہ بھلا شربت کیسے بناتیں... شربت تو اسی نے بنانا تھا اور کمرے میں اسے دے کر بھی اسی نے آنا تھا۔ یہی سوچ کر وہ پیروں کے تلوے سے سر کی چوٹی تک جل اٹھی تھی۔ انکار کرنا بھی فضول تھا۔ یقیناً" وہ تھوڑی دیر بعد کوئی اور کام کہہ دیتا۔ اس لیے بہتر تھا کہ وہ شربت ہی بنا دیتی۔

اس نے زچ ہو کر مٹھیاں اور لب بھینچ لیے تھے اور قدم باورچی خانے کی سمت بڑھا دیے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے خود پہ جبر کرتے ہوئے شربت بنایا اور شیخ زمان کے کمرے میں پہنچا آئی تھی لیکن اس آنے اور جانے کے دوران مائدہ کو لگا شیخ زمان کی ہوس زدہ نظریں اس کے جسم کے ساتھ چپک کے رہ گئی ہوں اور

ان نظروں نے اسے غلیظ' ناپاک اور گندا کر کے رکھ دیا ہو۔ اس کی چھیدتی ہوئی نظریں مائدہ کی روح کا عذاب بن چکی تھیں اور اسی عذاب کے احساس سے وہ اندر ہی اندر گھل کے رہ جاتی تھی۔ بے بسی بے پناہ تھی' کوئی راہ فرار نہیں تھی......!

☼ ☼ ☼

رات کے سوا بارہ بجے کا وقت تھا لیکن وہ ابھی تک گھر نہیں آیا تھا..... اور دادی بی ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہمیشہ کی طرح اس کے انتظار میں تھیں۔

مطالعہ کرنا ان کا بہت پرانا شوق تھا' جو بچپن سے جوانی' جوانی سے بڑھاپے اور غریبی سے امیری تک ان کے ساتھ آیا تھا اور ان کے اسی شوق کی خاطر ان کے اکلوتے اور لاڈلے پوتے نے انہیں گھر میں باقاعدہ ایک چھوٹی سی لائبریری بنا دی تھی۔

البتہ ان کے دل میں کچھ اور خواب' کچھ خواہشیں اور کچھ ارمان بھی ہیں یہ جاننے کی اس نے کبھی زحمت ہی نہیں کی تھی۔ وہ ان کے وہی شوق پورے کرتا تھا جو اس کی اپنی ذات سے منسوب نہیں ہوتے تھے اور دادی بی کو بھی اسی بات کا قلق رہتا تھا کہ وہ ان کی ہر بات مانتا ہے۔ ہر طرح کا خیال رکھتا ہے لیکن اس معاملے میں آ کر لاپروائی' بے نیازی اور سرد مہری برت جاتا ہے۔ ان کے دل کے ارمانوں اور خواہشوں سے نظریں چرا کے گزر جاتا ہے یہ احساس کیے بنا کہ ان کی عمر ایسی نہیں تھی جہاں وہ ارمانوں کے پورا ہونے کا انتظار کرتیں' ان کا تو یہ معاملہ تھا کہ آج ہیں' کل نہیں۔

اس نے تو دل کو پتھر اور احساسات سے عاری کر لیا تھا اور اسی لیے وہ رنجیدہ اور غم زدہ رہتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ اسی کا انتظار کر رہی تھیں اور وہ تھا کہ جیسے شہر ہی چھوڑ گیا تھا بالآخر وہ خود ہی اٹھیں اور فون سیٹ کے پاس آ گئیں۔ اس کا نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی لیکن وہ کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا پھر بھی وہ مسلسل کوشش کر رہی تھیں اور ایک بار ان کی کوشش کامیاب ٹھہر ہی گئی۔

"ہیلو!" اس کی بھاری گمبھیر اور بوجھل آواز پہ ان کا دل کٹ کے رہ گیا تھا۔

"دو فلن!" وہ بڑے دکھ سے بولی تھیں۔

"ڈونٹ وری! میں آ رہا ہوں۔" اس نے مختصر سے الفاظ میں کہہ کر فون بند کر دیا اور وہ بند ریسیور کو دیکھتی رہ گئیں۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں دکھ سے آنسو آ گئے تھے۔ اب وہ اسے کیا کہتیں کہ وہ انہیں بڑھاپے میں ستا رہا ہے۔ انہیں بے وجہ اذیت دے رہا ہے' ان کے دل پہ رنج کا بوجھ بڑھا رہا ہے لیکن اگر وہ اسے کہہ بھی دیتیں تو اس پہ بھلا کیا اثر تھا..... وہ ٹہل ٹہل کر تھکنے لگی تھیں' جب باہر گیٹ پہ گاڑی کا ہارن سنائی دیا تھا پھر ذرا توقف سے گیٹ کھلنے اور گاڑی گیراج میں رکنے کی آواز سنائی دی تھی۔ رفتہ رفتہ کاریڈور سے بھاری قدموں کی چاپ ابھرتی ہوئی قریب آتی چلی گئی تھی اور ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے پہ آ کر یہ چاپ بھی ٹھہر گئی' انہوں نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا۔

"خیریت؟ آپ بار بار فون کر رہی تھیں؟" مختصر سے الفاظ میں پوچھا گیا۔

"کیا تمہیں نہیں پتا کہ میں کیوں بار بار فون کر رہی تھی؟" انہوں نے خفگی سے کہا۔

"آئی ایم سوری! میں بزی تھا۔" پہلے سے بھی مختصر جواب آیا۔

تم فارغ کب ہوتے ہو.....؟ ایک دادی رات بھر پوتے کے لیے جاگ کر اس کی واپسی کی راہ دیکھتی ہے اور پوتا آ کے پوچھتا ہے..... "آپ کو کوئی کام تھا تو بتائیں.....؟"

وہ بڑے دکھ اور کرب سے بولی تھیں لیکن پوتے کو شرم کب تھی بھلا.....؟

"تو پھر کیوں جاگ رہی ہیں؟ ہزار بار کہہ تو چکا ہوں کہ میرا انتظار مت کیا کریں۔ دل چاہے گا تو گھر آؤں گا' ورنہ نہیں آؤں گا' آپ کب تک اپنی بوڑھی ہڈیوں کو میرے انتظار میں لٹکائے رکھیں گی؟ آپ

جس افگن افروز کے انتظار میں بیٹھی ہیں' وہ تو کب کا مر چکا ہے اب کبھی نہیں آئے گا۔ مت کیا کریں اس کا انتظار۔" وہ یکدم غصے سے پھٹ پڑا تھا۔

"وہ تھی تو تمہیں سب سے محبت تھی' وہ چلی گئی تو ساری محبتیں بھی چلی گئیں کیا تمہیں اب اپنی دادی بھی بری لگنے لگی ہے..... اگر ایسی ہی بری لگتی ہوں تو اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دو اور اکیلے رہو اس گھر میں' تاکہ نہ تمہیں میری پرواہ کرنی پڑے اور نہ مجھے تمہاری فکر ہو....." وہ رو رہی تھیں اور وہ لب بھینچ کے رہ گیا تھا۔

"ہاں میرے اندر کی ساری محبتیں مرچکی ہیں' ہر احساس مر گیا ہے' کسی کی پروا نہیں رہی مجھے' اور یہ بات آپ خود اچھی طرح جانتی ہیں اور آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ افگن افروز اس وقت زندگی جی نہیں رہا' زندگی نبھا رہا ہے' صرف اس لیے کہ کہیں میری موت کو وہ اپنی بے وفائی کا صدمہ نہ سمجھ لے' ورنہ مر تو میں اسی روز گیا تھا جس روز وہ....." کہتے کہتے اچانک اس نے لب بھینچ لیے۔ اس کی زبان کو زیب نہیں دیا تھا کہ وہ بات مکمل کرتا۔

"لیکن دنیا اس لڑکی پہ ختم نہیں ہو جاتی۔"

"دادی بی! ساری باتیں' ساری حقیقتیں جانتی تو ہیں آپ۔ پھر کیوں بھول جاتی ہیں' میری دنیا اس لڑکی پہ ہی ختم ہوتی تھی اور اس لڑکی پہ ہی ختم ہو گئی؟" وہ بولا مگر تلخ اور استہزائیہ سا۔

"پلیز دادی بی! اب اس ٹاپک کو یہیں ختم کر دیں رات کے اس پہر کچھ حاصل نہیں ہو گا سوائے سر درد کے۔" اس نے سختی سے کہتے ہوئے انہیں روک دیا تھا اور پلٹ کر سیڑھیوں کی سمت بڑھ گیا۔

"افگن.....!" وہ بے بسی سے زچ ہو کر پکاریں۔

"پلیز سمجھنے کی کوشش کریں دادی بی! ان باتوں کے لیے یہ وقت موزوں نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں کسی اور وقت پہ اٹھا رکھیں۔ اس وقت گہری نیند آ رہی ہے' آپ بھی سو جائیں اور مجھے بھی سونے دیں۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر بے نیازی سے کہا اور سیڑھیاں چڑھ گیا تھا اور وہ وہیں کھڑی دیکھتی رہ گئیں۔ وہ واقعی بے حس ہو چکا تھا اب تو ان کی بھی پروا نہیں کرتا تھا ورنہ پہلے تو.....!

☆ ☆ ☆

وہ مالی سے پورے لان کی کانٹ چھانٹ کروا کے پودوں کو پانی دے کر فارغ ہوئیں تو اچانک انہیں وقت کا احساس ہوا تھا کیونکہ انہوں نے ابھی افگن کے لیے ناشتا بھی بنانا تھا اس لیے سارے کام وہ پس پشت ڈالتے ہوئے اندر آگئیں عشال ڈرائنگ روم اور ٹی وی لاؤنج کی صفائی میں مصروف تھی۔

وہ شروع سے ہی افگن افروز کے لیے کھانے پینے کی اشیاء خود تیار کرتی تھیں اس کے سارے کام وہ اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ ناشتہ بنا کر انہوں نے عشال سے کہا۔

"اوپر جاؤ اور افگن سے کہو ناشتا تیار ہو چکا ہے' جلدی آجائے ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" انہوں نے عشال کو اوپر بھیجا اور وہ مودب سے انداز میں سر ہلا کر اوپر چلی گئی اور وہ خود اس کا ناشتا لگانے میں مصروف ہو گئیں۔

اور ٹھیک پانچ منٹ بعد وہ شاندار ڈریسنگ کیے' عمدہ خوشبو لگائے' خوب صورت ہیر اسٹائل مگر سرد و سپاٹ چہرے کے ساتھ ڈائننگ روم میں داخل ہوا تھا۔

"گڈ مارننگ....." بے تاثر سا لہجہ تھا' وہ بھلا کیا جواب دیتیں' خاموشی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھیں' وہ بھی ان کی خاموشی توڑ کر چکا تھا کیونکہ ان کی طرف سے اس کی "گڈ مارننگ" کا کوئی جواب نہیں آیا تھا انہوں نے جوس کا جگ اور گلاس اس کے سامنے رکھ دیا تھا' وہ نہار منہ جوس پینے کا عادی تھا۔

"آئی ایم سوری.....!" اس نے گلاس اٹھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا لیکن دادی بی نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اپنے لیے کپ میں چائے انڈیلنے لگیں۔

"شاید رات میں کچھ زیادہ بول گیا تھا' مجھے اتنا نہیں

بولنا چاہیے تھا۔ ایم رئیلی سوری۔"

وہ جوس پینے سے پہلے سر جھکائے آہستگی سے اور سنجیدگی سے معذرت کر رہا تھا لیکن دادی بی نے اس کی کوئی بھی بات کانوں پہ نہیں دھری تھی جس پہ وہ قدرے جھنجلا گیا تھا۔

"دادی بی! میں آپ سے مخاطب ہوں، میں سوری بول رہا ہوں آپ سے۔" اس نے گلاس ٹیبل پہ پٹخ دیا تھا۔

"مجھ سے کیوں مخاطب ہو؟ اور کیوں سوری بول رہے ہو؟ کیا اہمیت ہے میری تمہاری نظر میں؟ جیسے گھر کے باقی ملازم ہیں ویسے میں بھی ہوں، بس اتنا فرق ہے کہ وہ کوارٹرز میں رہتے ہیں اور میں تمہارے گھر کے بیڈ روم میں رہتی ہوں۔ تمہارا مجھ پہ یہی احسان ہے کہ تم نے مجھے ایک کمرا دے رکھا ہے، ورنہ روٹی پانی، جوتی کپڑا تو باقی سب کو بھی مل رہا ہے۔ وہ بھی کام کرتے ہیں، میں بھی کام کرتی ہوں۔ جب ان کاموں سے ہٹ کے کوئی بات کرتی ہوں تو تمہیں ناگوار گزرتا ہے۔ آخر کو تم مالک ہو، کسی ملازم کی اپنی ذات میں مداخلت ناگوار تو گزرے گی..... لیکن تم بے فکر رہو، آئندہ ایسا نہیں ہوگا، میں پوری کوشش کروں گی کہ تمہارے کسی بھی کام میں مداخلت نہ کروں جو تمہیں ناگوار گزرے....." انہوں نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا اور رخ موڑ لیا تھا۔

"دادی بی! آپ یہ....."

"مت کہو مجھے دادی بی۔ میں صرف نام کی دادی بی ہوں، ورنہ میری کیا اوقات ہے خوب جانتی ہوں میں۔ تمہارے لیے وہی اہم تھی جس کے ہجر میں جوگی بنے پھر رہے ہو۔ وہ گئی تو سب کچھ گیا، پوری دنیا ہی ختم ہو گئی اور جب تمہاری دنیا ہی ختم ہو گئی ہے تو ہم کس کام کے....."

آج ان کی چپ اور برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا اسی لیے جو منہ میں آیا کہتی چلی گئی تھیں اور افلن افروز ششدر سا بیٹھا ان کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"میں جیوں یا مروں، میری پروا مت کرنا اور تم ہر ناجائز اور غلط کام کرو۔ گھر آؤ یا نہ آؤ میں تمہاری پروا نہیں کروں گی۔ بھول جاؤں گی کہ میرا کوئی پوتا بھی ہے بس زندگی کے دن پورے کرنے ہیں، سو ہو ہی جائیں گے۔ تم خود مختار ہو، اپنی مرضی کے مالک ہو جو چاہے کرو۔ میری طرف سے آزاد ہو۔"

وہ اپنے اندر کا غبار نکال کے کرسی دھکیل کر کھڑی ہوئیں اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

ناشتا وہیں ادھورا پڑا رہ گیا تھا۔ افلن نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ آج تک اس نے جو کچھ بھی کیا تھا یا جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ کبھی اس پہ اس طرح خفا نہیں ہوئی تھیں۔ کبھی غصہ نہیں کیا تھا، کبھی مشتعل نہیں ہوئی تھیں اور آج اگر وہ مشتعل اور برہم ہوئی تھیں تو اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ آج واقعی کوئی ایسی چوٹ لگی ہے جس کا اثر ان کے دل پہ ہوا ہے۔ ورنہ وہ اپنے لاڈلے پوتے کو اس طرح ڈانٹ دیں..... کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اور اسی بات پر افلن افروز کو بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ دادی بی نے اتنا غصہ اسی پہ کیا ہے..... اور اگر کیا ہے تو یقیناً" وہ خود بھی بہت بے چین اور اذیت میں ہوں گی، آخر اس نے ان کا دل کیوں دکھا دیا.....؟ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا..... یہی سوچتے سوچتے وہ خود بھی بے چین اور مضطرب ہو گیا تھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے نکل آیا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گاڑی تک آیا اور گاڑی نکال لے گیا.....!

☼ ☼ ☼

"مائدہ.....! مائدہ.....!" اماں اسے باہر سے آوازیں دیتی ہوئی اندر کمرے میں آگئی تھیں۔

"مائدہ.....!" انہوں نے بالآخر اس کے قریب آکر اسے پکارا تو وہ چونک کر جیسے ہوش میں آئی تھی۔

"ج..... جی اماں! کیا بات ہے؟" وہ یکدم بستر پہ لیٹی ان کی آواز سن کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کہاں کھوئی رہتی ہو، میں آوازیں دے دے کر تھک جاتی ہوں۔" وہ خفگی سے بولیں۔

"کہیں نہیں اماں! بس ایسے ہی کسی سوچ میں تھی شاید۔" اس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا اور دوپٹہ اٹھا کر کندھوں پہ پھیلا لیا تھا۔

"ہر وقت کمرے میں کیوں بیٹھی رہتی ہو..... ذرا سا کام کیا اور کمرے میں 'ذرا سا کام کیا' پھر کمرے میں' یہ کیا سلسلہ بنا رکھا ہے تم نے..... کل شیخ صاحب بھی یہی بات کہہ رہے تھے کہ مائدہ ہم لوگوں سے کھنچی کھنچی سی کیوں رہتی ہے؟"

اماں اس کے قریب اس کے بستر پہ ہی بیٹھ گئی تھیں اور مائدہ کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے اماں کام ہی تو کر رہی ہوتی ہوں آپ کے سامنے....." اس نے ان کی بات ٹالی۔

"میں کاموں کی بات نہیں کر رہی' اکیلے بیٹھے رہنے کی بات کر رہی ہوں' ہمارے پاس بھی تو بیٹھ سکتی ہو.....' باتیں کر سکتی ہو' ہمیں بھی خوشی ہوگی' یا پھر یہ کہو کہ تم شیخ صاحب کو ابھی بھی غیر سمجھتی ہو' انہیں باپ نہیں سمجھتیں.....؟"

اماں آج اس کے پاس گلے شکوے لے کر آئی تھیں جن کو سن کے مائدہ کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔ جی چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے اور اپنے اندر کا سارا غبار نکال دے لیکن اسے پتا تھا کہ اماں اس وقت شیخ صاحب کی حمایت میں بول رہی ہیں' اس لیے اس نے اگر کچھ بھی کہا تو انہیں ناگوار لگے گا لہٰذا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش ہی رہی مگر اس کی روح کے آنسو اس کے دل پہ گرنے لگے۔

"اب کیا بات ہے چپ کیوں ہو گئی ہو؟" انہوں نے اسے خاموش دیکھ کر دوبارہ متوجہ کیا۔

"کچھ نہیں اماں! بس ایسے ہی اتنے دنوں سے ایک بات سوچ رہی تھی' اگر آپ میرا ساتھ دیں تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے کہتے ہوئے بے ساختہ ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے تھے' اماں نے اس کے انداز پہ چونک کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیسی بات.....؟" وہ حیرانی سے پوچھ رہی تھیں۔

"اماں پلیز! میری بات کا برا مت ماننا' مگر میں گھر میں رہ رہ کر بور ہو گئی ہوں مجھے ڈپریشن ہونے لگا ہے' میں تھوڑا ٹائم گھر سے باہر گزارنا چاہتی ہوں۔ میں جاب کرنا چاہتی ہوں' آپ یہ مت سمجھیں کہ میں یہ جاب اپنی کوئی ضرورتیں یا خواہشیں پوری کرنے کے لیے کرنا چاہتی ہوں میں خود اعتماد ہونا چاہتی ہوں' میرے اندر اعتماد کی کمی ہے' میں یہ کمی دور کرنا چاہتی ہوں۔ اماں! میں دنیا کے قدم سے قدم ملا کر چلنا چاہتی ہوں' پلیز اماں! اگر میں اسی ایک چار دیواری میں رہی تو ایک روز میرا دم گھٹ جائے گا اور آپ کو اس کمرے میں میری لاش ملے گی۔ پلیز مجھے اجازت دے دیں..... مجھے کھل کے سانس لینے دیں' مجھے جینے دیں پلیز۔"

اس نے روہانسے لہجے میں کہتے ہوئے جیسے التجا کی تھی اور اماں اس کا چہرا دیکھتی رہ گئیں۔ سو وہ اس کی اس انوکھی فرمائش پہ حیران پریشان تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم.....؟" وہ۔ پریشانی سے گویا ہوئی تھیں۔

"اماں! میں اپنی حالت' اپنے دل کی بات اور کس سے کہوں گی سوائے آپ کے.....؟ پلیز آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں' میرے پاس تعلیم ہے' عقل ہے' شعور ہے' مجھے اپنی عقل اور شعور کا استعمال کرنے دیں' پلیز اماں مجھے روکیے مت۔"

"یہ اچانک بیٹھے بیٹھے کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ یہ بھی کوئی تک ہے بھلا.....؟" انہوں نے خفگی سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑا لیے تھے۔

"اماں! یہ میں نے اچانک بیٹھے بیٹھے نہیں سوچا' بلکہ یہ سب سوچتے ہوئے تو مجھے مہینے ہو گئے ہیں بس میں ڈرتی تھی کہ آپ کو میری جاب کی فرمائش بری لگے گی لیکن آپ میری ماں ہیں' آپ میری خواہش پوری نہیں کریں گی تو اور کون کرے گا..... آپ کی ایک "ہاں" میری بے سکون زندگی میں سکون بھر دے گی پلیز۔"

مائدہ اتنی جذباتی ہو رہی تھی کہ اس نے ماں کے

سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے اور اماں ششدر سی ہو کر دیکھنے لگیں۔

"دیکھو مائدہ! تم جانتی ہو کہ میں شیخ صاحب کو بتائے بغیر کوئی کام نہیں کرتی' اس لیے وہ گھر آتے ہیں تو ان سے بات کرتی ہوں۔ وہ مان گئے تو کر لینا جاب' اگر نہ مانے تو ضد مت کرنا۔ میں ان کے ساتھ بحث و تکرار نہیں کر سکتی۔" وہ خفگی سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"اماں! میں آپ کی بیٹی ہوں' شیخ صاحب کی نہیں ۔ مجھے آپ نے اجازت دینی ہے اور مجھے آپ کی ہی اجازت کی ضرورت ہے' وہ اجازت دیں یا نہ دیں مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

مائدہ بالآخر کہہ ہی گئی تھی اور اماں یکدم پلٹ کے اسے تعجب بھری بے یقین نظروں سے دیکھنے لگیں آج وہ انہیں مسلسل حیران کر رہی تھی۔

"کیا کہا تم نے...؟" ان کی حیرانی ان کے لہجے سے بھی جھلک رہی تھی۔

"کچھ غلط نہیں کہہ رہی... میں آپ کی بیٹی ہوں یہی حقیقت ہے میرے اچھے برے کا خیال آپ کو ہونا چاہیے شیخ صاحب کو نہیں آپ ان سے اجازت طلب نہیں کریں گی صرف یہ بتائیں گی کہ میں جاب کرنا چاہتی ہوں اور آج یا کل میں جاب کی تلاش شروع کر دوں گی۔"

"مائدہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کیسی عجیب عجیب باتیں کر رہی ہو۔ تم ہوش میں تو ہو ناں...؟"

"اماں! میں ہوش میں ہوں لیکن آپ نہیں ہوں۔ جوان بیٹی کی ماں ہیں آپ لیکن پھر بھی نادان ہیں۔ باقی ماؤں کی طرح آنکھیں اور کان کھلے رکھا کریں جوان بیٹیوں کی مائیں غافل نہیں رہتیں۔ ہر وقت چوکس اور چوکنا رہتی ہیں کچھ ہی نہیں رہیں' میں آخر ایسا کہوں کہ ساری حقیقتیں آپ پہ واضح ہو جائیں..." مائدہ کہتے کہتے بے بسی سے جھنجلا گئی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں کم عقل ہوں' نادان ہوں... تمہارا دھیان نہیں رکھتی؟" انہیں اس کی بات پہ اچنبھا ہوا تھا۔

"جی بالکل میں نے یہی کہا ہے۔" اس نے سر ہلا کر اعتراف کیا تھا اور اماں دنگ رہ گئی تھیں۔

"مائدہ تم اپنی ماں کو ایسا..."

"آئی ایم سوری اماں! آپ کی کم عقلی اور نادانی نے آج مجھے بولنے پہ مجبور کر دیا ہے ورنہ آپ خود عقل مند ہوتیں تو میرے کہے بنا ہی سب کچھ سمجھ جاتیں' مجھے یہ نہ بتانا پڑتا کہ اماں! زیادہ دیر گھر سے باہر مت رہا کریں مجھے ڈر لگتا ہے۔ اماں! رات کو نیند کی گولی کھا کر نہ سویا کریں ورنہ مجھے نیند نہیں آتی آپ نیند کی گولی کھا کے سوتی ہیں میری نیند اڑ جاتی ہے۔ ساری ساری رات جاگ کے گزار دیتی ہوں' کبھی نہا دھو کر نئے کپڑے نہیں پہنتی' الجھے الجھے شکن آلود کپڑوں اور میلے کچیلے حلیے میں کیوں پھرتی ہوں؟ زیادہ ہنستی نہیں ہوں' زیادہ باتیں نہیں کرتی ہوں' کمرے سے باہر نہیں بیٹھتی ہوں' چپ رہتی ہوں' سوچ میں گم رہتی ہوں' آخر کیوں...؟ کبھی جاننے کی زحمت کی آپ نے ...؟ کئی بار کہا اماں! میں صرف آپ کی بیٹی ہوں شیخ زمان کی نہیں۔ میری فکر میں آپ جاگا کریں' شیخ زمان کیوں جاگتا ہے بھلا...؟"

وہ اماں کے کندھوں پہ دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے بولی اور یکدم پھٹ پڑی تھی اور حلیمہ بی بی کے قدموں تلے سے جیسے زمین سرک گئی تھی۔ ان کا وجود جیسے کسی نے دھجیوں میں اڑا دیا تھا۔ وہ مائدہ کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں اور مائدہ زیادہ دیر ان کے سامنے کھڑی نہ رہ سکی۔ وہاں سے نکل آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے آفس روم میں بیٹھا کچھ ضروری فائلز چیک کر رہا تھا جب اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔

"مے آئی کم ان سر...؟" اس نے حسام کی آواز پہ چونک کے سر اٹھایا۔ وہ دروازے میں کھڑا اجازت طلب کر رہا تھا۔

"کم ان..." اس نے آہستگی سے سر ہلایا۔

"تھینک گاڈ! اندر آنے کی اجازت تو ملی' ورنہ تمہاری شکل دیکھ کر تو یہی لگ رہا تھا کہ تم منع کر دو گے۔"
حسام دروازے کا ہینڈل چھوڑ کے اندر آگیا تھا۔
"کیا میرے منع کرنے سے تم واپس چلے جاتے؟"
افگن اپنے سامنے رکھی فائل کے بے ترتیب پڑے پیپرز سمیٹنے لگا۔
"بالکل نہیں" حسام نے نفی میں گردن ہلائی اور اطمینان سے کرسی پہ بیٹھ گیا تھا۔
"تو پھر میں تمہیں منع کیوں کرتا؟ جب تم نے میرے منع کرنے کے باوجود بھی واپس نہیں جانا تھا۔"
افگن نے کہتے ہوئے فائل ایک طرف رکھ دی۔
"دیکھ لو' مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ تمہارے منع کرنے کے باوجود بھی تمہیں چھوڑ کے واپس نہیں جاتا۔" حسام نے مسکرا کے کہا تھا لیکن افگن افروز کے سرد وسپاٹ چہرے کے تاثرات اور بھی سرد ہو گئے تھے۔ اس کے چہرے پہ تناؤ آگیا تھا۔
"محبت کا نام نہ لو' اور جو جی چاہے کہہ لو....." اس نے سپاٹ سے لہجے میں کہا اور انٹرکام پہ حسام کے لیے چائے آرڈر کی تھی۔
"یعنی کہ تمہاری ایک محبت کھوٹی ہونے سے ہماری ساری محبتیں کھوٹی ہو گئی ہیں..... ہماری اپنائیت' ہمارا خلوص' ہماری چاہت سب بیکار ہے تمہاری نظر میں.....؟ تم نے ہماری محبت کو اس محبت سے مشروط کر دیا ہے جو تمہارے لیے کبھی تھی ہی نہیں' جس نے تمہیں دولت پر سے وار کے ایک سائیڈ پہ رکھ دیا ہے۔"
حسام کو اس کی بات بری لگی تھی اس لیے تلخی سے اسے حقیقت کا آئینہ دکھا گیا' جس پہ افگن افروز بری طرح بلبلا اٹھا تھا۔
"بکواس بند کرو اپنی۔"
"بکواس بند ہو سکتی ہے مگر حقیقت نہیں اور حقیقت یہی ہے کہ تم ابھی تک لکیر پیٹ رہے ہو' تم نے برباد کر لیا ہے خود کو....." حسام باز آنے والا نہیں تھا۔
"میں برباد ہوا ہوں ناں' آپ لوگوں کو کیا تکلیف ہے؟ کبھی تمہیں' کبھی دادی بی کو اور کبھی کسی اور کو۔"
وہ یکدم چیخ اٹھا تھا' اسے دادی بی کا صبح والا رویہ یاد آگیا تھا۔
"اگر تمہیں یہ احساس ہو جائے ناں کہ ہمیں کیا تکلیف ہے تو تم یہ سوال ہی نہ کرو' مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ تمہیں احساس ہی نہیں ہے اور ہاں اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ تمہاری بربادی پہ کسی اور کو بھی تکلیف ہو گی' ہونہہ! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تمہاری بربادی پہ اگر کسی کو تکلیف ہوتی ہے تو وہ صرف میں ہوں یا پھر دادی بی ہیں' کسی تیسرے کا سوچنا بھی مت.....!"
حسام طنزیہ اترا ہوا تھا اور افگن افروز کا اس کی باتوں پہ خون کھول رہا تھا۔ اس موضوع پہ آکر اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ لوگوں کی زبانیں کھینچ لے یا پھر ان کی گردنیں اڑا دے۔ اس معاملے میں وہ بہت بے رحم اور سفاک ہو جاتا تھا۔
افگن افروز کا سیل فون بجنے لگا تھا۔
"ہیلو.....!" آواز اور انداز سپاٹ تھا۔
"صاحب! میں رشید بات کر رہا ہوں ہسپتال سے' بڑی بیگم صاحبہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے' بہت بری حالت ہے ان کی' آپ جلدی سے آجائیں صاحب۔"
افگن افروز کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی اور یوں لگا کہ اس بلڈنگ کا ملبہ پورے کا پورا اس کے سر پہ آگرا ہو.....
دونوں آگے پیچھے تیز رفتاری سے دھڑا دھڑ سیڑھیاں اترتے پارکنگ میں پہنچے تھے.....
دادی بی کی تکلیف کا خیال ہی اس کے لیے سوہان روح ثابت ہو رہا تھا اور اس کے اپنے جسم سے جیسے جان نکلی جا رہی تھی۔ اور یہ سوچ الگ بچھو کے ڈنک لگا رہی تھی کہ وہ ان کے رویے سے ناراض تھیں اس سے' اگر ناراضی میں انہیں کچھ ہو جاتا تو.....؟ افگن کا دل ڈوبنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

پورے چوبیس گھنٹے ہو گئے تھے افگن اور حسام کو

آئی سی یو کے باہر انتظار کرتے ہوئے اس نے آئی سی یو میں داخل ہوتے ڈاکٹر اظفر کو بازو سے پکڑ کے روک لیا تھا۔

"دیکھیے ڈاکٹر! میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں میں اور زیادہ انتظار نہیں کر سکتا' اگر دادی بی کی حالت آپ لوگوں کے کنٹرول سے باہر ہے تو آپ مجھے ابھی بتا دیں میں انہیں کہیں اور شفٹ کرا لیتا ہوں۔"

"مبارک ہو مسٹر افگن! آپ کی دادی بی اب خطرے سے باہر ہیں۔" وہ ڈاکٹر اظفر سے کچھ کہہ ہی رہا تھا کہ اتنے میں آئی سی یو کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر رضوان نے آکر اسے دادی بی کی زندگی کی نوید سنائی تھی جس پہ ڈاکٹر اظفر بے ساختہ مسکرا دیے تھے اور اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

"لیکن آئی ایم سوری! آپ کی دادی بی اب چل نہیں سکتیں' ان کی ٹانگیں بہت متاثر ہوئی ہیں۔"

ڈاکٹر رضوان کی اگلی بات نے افگن افروز کے آس پاس کئی دھماکے کر ڈالے تھے۔ وہ اک جھٹکے سے ان کی سمت پلٹا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"مسٹر افگن! ہمیں بہت افسوس ہے اس بات کا' لیکن ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ ان کی زندگی تو بچ گئی ہے نا' ورنہ ایسے شدید ایکسیڈنٹ کے بعد ان کے بچنے کی ہرگز امید نہیں تھی۔"

وہ اسے سمجھا رہے تھے اور افگن پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"افگن بیٹھو یہاں..." حسام نے آگے بڑھ کے اسے بازو سے تھاما۔ لیکن افگن ضبط نہ کر سکا۔ اس کے آنسو بہہ نکلے تھے...! زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ رویا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتی تھی۔" شیخ زمان کھانا کھا رہا تھا۔ جب حلیمہ بی بی چارپائی پہ ان کے قریب ہی آبیٹھیں۔

"کہو' کیا بات کرنی ہے...؟" وہ اجازت دیتے ہوئے بولے۔

کچن کے دروازے سے لگی کھڑی مائدہ کا دل دھڑکنے لگا تھا' اسے پورا یقین تھا کہ شیخ زمان اس کی جاب کا سن کر بھرپور مخالفت کریں گے...

"میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ مائدہ پورا دن گھر میں اکیلی اور فارغ بیٹھی رہتی ہے اس لیے بہتر ہے کہ وہ بے کار بیٹھنے کے بجائے کوئی جاب کر لے' آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں...؟"

حلیمہ بی بی نے بات کرتے ہوئے اپنی نظریں پوری طرح سے شیخ زمان پہ ہی جما رکھی تھیں۔ لہجہ بے حد مضبوط اور بے لچک تھا فیصلہ کن اور دو ٹوک۔

"کیا کہا...؟" شیخ زمان کا ہاتھ منہ میں نوالہ ڈالتے ہوئے وہیں کا وہیں ٹھہر گیا تھا' مائدہ جاب کرے گی؟"

"جی ہاں۔"

"کیوں؟" شیخ زمان کے تیور بدل گئے تھے۔

"کیونکہ میں چاہتی ہوں وہ گھر پہ اکیلی اور فارغ نہ بیٹھے۔" آج ان کا لہجہ اور آواز دبے دبے اور دھیمے سے نہیں تھے۔ وہ ایک ماں تھیں اور جب ایک ماں اپنے بچوں کے لیے اپنے موقف پہ ڈٹ جائے تو اسے اس کے موقف سے ہٹانا دنیا کا مشکل ترین کام بن جاتا ہے۔

"کیوں؟ کیا اس جیسی دوسری لڑکیاں گھروں میں اکیلی اور فارغ نہیں بیٹھی ہوتیں... یا پھر یہ کہو کہ وہ گھر سے باہر گھومنا پھرنا چاہتی ہے؟"

شیخ زمان کو اپنا شکار ہاتھوں سے نکلتا ہوا محسوس ہوا تھا تب ہی تو وہ گھٹیا طنز پہ اتر آئے تھے۔

"زبان سنبھال کے بات کریں شیخ صاحب! آپ کی بیٹی ہے وہ۔" حلیمہ بی بی نے بیٹی پہ زور دیا۔

"میری بیٹی ہوتی تو مجھ سے پوچھ کے کام کرتی... دونوں ماں بیٹی نے اندر ہی اندر سب کچھ طے کر لیا اور مجھے اب بتا رہی ہو؟"

انہوں نے غصے سے کہتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا ہوا نوالہ واپس ٹرے میں پھینک دیا تھا اور کچن میں کھڑی

مائدہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا اسے پتا تھا کہ اب ضرور کوئی نہ کوئی ہنگامہ برپا ہوگا۔

"خبردار! کوئی نہیں کرے گی نوکری ووکری' اسے کہو اونچی ہواؤں میں اڑنے کے خواب چھوڑے اور گھر میں بیٹھے' باہر نکلے گی تو لوگ سو سو باتیں بنائیں گے کہ شیخ زمان اپنی سوتیلی بیٹی کو دو وقت کی روٹی بھی نہیں کھلا سکتا۔۔۔ کیا لوگوں کے سامنے میری ناک کٹوانا چاہتی ہو تم دونوں؟" شیخ زمان آپے سے باہر ہو رہا تھا اور حلیمہ بی بی اس کے تاثرات نوٹ کر رہی تھیں۔

"اچھا! اب آپ کی ناک کٹ رہی ہے اور جب حرا جاب کرتی تھی تب آپ کی ناک نہیں کٹتی تھی؟" حلیمہ بی بی نے شیخ زمان کی بیٹی کا نام لیا جسے وہ ایک سال پہلے شادی کرکے رخصت کر چکا تھا۔

"وہ بچی تھی' کم عقل تھی نوکری کرنے کا شوق تھا اسے' مجبورا" مجھے اس کی بات ماننا پڑی۔" شیخ زمان نے ذرا سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ بھی بچی ہے' کم عقل ہے' اسے بھی شوق ہے اور مجبورا" مجھے اس کا شوق پورا کرنا ہی پڑے گا۔ آپ زیادہ پریشان نہ ہوں' میں نے مائدہ سے کہہ دیا ہے وہ بس کچھ عرصہ ہی جاب کرے گی اور اس کے بعد میں اس کی شادی کردوں گی' جیسے حرا اور فرح کی کی تھیں اچھے اور پڑھے لکھے گھرانوں میں۔"

حلیمہ بی بی نے شیخ زمان کو جتایا اور وہ لب بھینچ کے رہ گیا۔

حلیمہ بی بی کہہ کے وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"آخر آپ جا کہاں رہی تھیں؟" افگن افروز دکھ سے جھنجلایا ہوا تھا۔

"عالیہ سے ملنے۔" وہ پلکیں موندتے ہوئے آہستگی سے بولی تھیں اور افگن نے چونک کر ان کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"عالیہ سے ملنے۔۔۔؟"

افگن افروز کی آواز جیسے کسی کنویں سے سنائی دی تھی۔ "مگر کیوں؟"

دادی بی کی بند پلکوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور افگن ششدر سا ان کے بوڑھے اور جھریوں زدہ چہرے کی سمت دیکھ رہا تھا۔

"بھیک مانگنے جارہی تھی تمہاری آزادی کی' اس سے کہنا تھا کہ میرے پوتے کو مزید برباد نہ کرو۔ خود چلی گئی ہو تو اپنی یادیں بھی لے جاؤ' کیوں چھوڑ گئی ہو برباد کرنے کے لیے۔۔۔؟ تاکہ وہ تمام عمر انہی یادوں میں تڑپ تڑپ کے جیتا رہے اور میں۔۔۔ میں اپنے پوتے کو دیکھ کر تڑپتی رہوں۔۔۔ ہونہہ! مگر۔۔۔ میں تو اس سے بھیک بھی نہیں مانگ سکی۔ میری ٹانگوں نے میرا ساتھ ہی نہیں دیا' مجھے راستے میں ہی روک لیا ہے' لیکن کوئی بات نہیں زندگی میں ایک بار اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کے اپنے پوتے کی آزادی ضرور مانگوں گی' چاہے وہ کہیں بھی ملے۔۔۔" انہوں نے جیسے عہد کیا تھا۔

"نہیں دادی بی! ہرگز نہیں' آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی جس سے میری شخصیت کا کوئی کمزور پہلو نظر آئے' میں اس کے سحر میں نہیں اس کے قہر میں قید ہوں۔ اس نے کیا سوچ کر میرے ساتھ بے وفائی کی۔۔۔؟ کیا میں کچھ بھی نہیں تھا۔۔۔؟ میں پاگل ہوتا ہوں تو صرف یہ سوچ سوچ کے کہ کیا افگن افروز اتنا ارزاں تھا کہ وہ دولت کی چمک دمک میں اسے دیکھ ہی نہیں پائی۔۔۔ وہ دولت جسے محبت کرنے والے ہاتھوں کا میل کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں اور عالیہ نے اسی ہاتھوں کے میل کو سینے سے لگا لیا۔۔۔؟"

وہ اندر سے دکھی ہو رہا تھا' جب ہی تو دادی بی سے سب کہہ رہا تھا۔

"اگر وہ ہاتھوں کے میل کو سینے سے لگانے والی عورت تھی تو تم کیوں اسے سوچ سوچ کے اپنا خون جلاتے ہو۔۔۔؟"

"وہ ہاتھوں کا میل نہیں تھی دادی بی! وہ میری ذات پہ لگا ایک گہرا دھبہ تھی' وہ جب سے دور گئی ہے یہ دھبہ اور بھی نمایاں ہوگیا ہے اور میں اس دھبے کی وجہ

...چھپاتا پھر رہا ہوں، میں نے اپنی ذات پہ خول چڑھالیا ہے تاکہ کسی کو کچھ نظر نہ آئے..... اور اس کی کوشش میں افگن افروز خود کہاں گم ہو گیا ہے یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔" افگن افروز پژمردہ سا دادی کے سامنے بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

عصر کا وقت ہو رہا تھا اور حلیمہ بی بی اپنے گھر کے صحن میں پریشان اور بے کل سی ٹہل رہی تھیں۔

سارا دھیان مائدہ کی طرف لگا ہوا تھا وہ صبح نو بجے گھر سے نکلی تھی اور اس وقت شام ہو رہی تھی نجانے اسے کہیں نوکری ملی تھی یا نہیں..... اپنی عزت محفوظ رکھنے کی خاطر نجانے کہاں کہاں دھکے کھاتی پھر رہی تھی تاکہ وہ شیخ زمان کے خوف سے بچی رہے اور اس کی گندی اور غلیظ نظروں سے اپنے آپ کو کچھ دیر دور رکھ سکے اور اس کوشش میں وہ صبح سے شام کر چکی تھی اور ابھی تک گھر نہیں آئی تھی.....!

وہ برامدے میں جھانک کر دیوار سے لگے کلاک پہ ٹائم دیکھ رہی تھیں جب دروازے پہ اچانک دستک ہوئی تھی۔

لیکن سامنے مائدہ کے بجائے ان کی ایک جاننے والی کھڑی تھیں۔

"کیسی ہو حلیمہ! اندر نہیں آنے دو گی؟" نسرین آپا اور حلیمہ بی بی کے آپس میں کافی اچھے تعلقات تھے دونوں ایک دوسرے کو کافی قریب سے جانتی تھیں اور ایک دوسرے کے حالات بھی سمجھتی تھیں۔

"ٹھیک ہوں آؤ اندر آؤ۔" وہ سامنے سے ہٹ گئیں۔

"کیا بات ہے حلیمہ کچھ پریشان سی لگتی ہو؟" نسرین آپا پہلی نظر میں ہی حلیمہ بی بی کے چہرے کی پریشانی بھانپ چکی تھیں۔

"تم بیٹھو تو سہی، میں پانی لے کر آتی ہوں۔" حلیمہ بی بی انہیں چارپائی پہ بٹھا کر باورچی خانے کی طرف بڑھیں۔

"ارے نہیں حلیمہ! پانی وانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں افگن صاحب کے گھر سے ابھی پانی پی کر ہی آئی ہوں۔ بیگم صاحبہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ جان تو بچ گئی لیکن چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی ہیں، آج ہسپتال سے گھر آئی ہیں، میں نے سوچا میں بھی جا کر ان کی عیادت کر آؤں، جتنا عرصہ ان کے گھر کام کیا، انہوں نے کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ مالک ہیں اور میں ملازم۔ انہوں نے ہمیشہ برابری کا سلوک کیا ہے، اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتی تھیں۔ آج ان کی تکلیف دیکھی نہیں گئی مجھ سے۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "اللہ اپنے بندوں کے کیسے کیسے امتحان لیتا ہے؟

"اوہ!" انہوں نے گہری سانس کھینچی تھی۔ حلیمہ بی بی جانتی تھیں کہ نسرین نے افگن صاحب کے گھر میں کافی عرصہ کام کیا ہے۔

"اب تم بتاؤ کہ تمہیں کیا ہوا ہے، تم کیوں پریشان ہو؟" ان کی توجہ دوبارہ حلیمہ بی بی کی طرف مبذول ہو چکی تھی۔

"وہ میں دراصل مائدہ کے لیے پریشان تھی وہ صبح سے نوکری کی تلاش میں نکلی ہوئی ہے اور ابھی تک نہیں آئی۔" انہوں نے بالآخر بتا ہی دیا تھا۔

"مائدہ نوکری کی تلاش میں.....؟" نسرین آپا کو اچنبھا ہوا۔

"جی! وہ صبح سے شام تک گھر میں فارغ بیٹھی رہتی ہے جب تک حرا کی شادی نہیں ہوئی تھی تب تک تو ٹھیک تھی لیکن اب اکیلی اور فارغ رہ رہ کر اکتا گئی ہے اس لیے میں نے کہا کہ وہ کہیں نوکری کر لے۔" حلیمہ بی بی سب کو یہی باور کرا رہی تھیں کہ مائدہ کو جاب کرنے کے لیے انہوں نے خود کہا ہے۔

"مائدہ کے لیے جاب کے علاوہ بھی کچھ سوچا ہے یا نہیں؟" نسرین آپا نے ان کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آپا! اس وقت اصل مسئلہ اس کی جاب ہے" اسے جاب مل جائے تو میں مطمئن ہو جاؤں گی اور سہولت سے اس کے لیے رشتہ تلاش کر سکوں گی بلکہ اس کام

میں آپ کو بھی میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

"ارے! ضرور ساتھ دوں گی تم اس کام میں ہاتھ تو ڈالو۔ جوان بیٹی کو کب تک گھر میں بٹھا کے رکھو گی؟" نسرین آپا انہیں کافی اچھا اور مخلصانہ مشورہ دے رہی تھیں۔

"السلام علیکم اماں.....!" اتنے میں کھلے دروازے سے مائدہ بھی اندر چلی آئی تھی، حلیمہ بی بی نے چونک کے اسے دیکھا۔

"ارے تم آگئیں؟ اتنی دیر کیوں لگا دی تھی.....اب تو دل ہولنے لگا تھا۔" حلیمہ بی بی فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھیں۔

"مجھے گھر سے باہر ڈر نہیں لگتا اماں!" مائدہ اپنی چادر اتارتے ہوئے بولی، پھر نسرین کو دیکھ کر انہیں سلام کرتے ہوئے ان کی سمت جھکی تھی انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہو، خوش رہو..... کہیں نوکری ملی؟" وہ نرمی سے پوچھ رہی تھیں۔

"ارے خالہ! آج کل نوکری کا ملنا بھی ایسے ہو گیا ہے جیسے کسی ڈگری کا ملنا، جس کے لیے چار چار سال محنت کرنا پڑتی ہے۔ صبح شام دھکے کھانا پڑتے ہیں۔ اپنا خون جلانا پڑتا ہے، بھوک اور دوسروں کی باتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں اور میرا تو ابھی پہلا دن ہے؟" وہ تلخی سے سر جھٹکتے ہوئے بولی تھی۔

"تم پریشان نہ ہو اللہ بہتر کرے گا۔" نسرین آپا کچھ سوچتے ہوئے اس کا سر تھپک کر کھڑی ہو گئیں، پھر دعا سلام کے بعد وہاں سے رخصت ہو گئیں۔ پیچھے وہ دونوں ماں بیٹی سوچ میں گم اور پریشان بیٹھی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"عیشاں! عیشاں!" افلن افروز ڈائننگ روم میں کھڑا عیشاں کو آوازیں دے رہا تھا لیکن وہ نجانے کہاں غائب ہو چکی تھی۔

"جج.....جی صاحب جی.....؟" وہ فوراً بھاگی بھاگی آئی تھی۔

"کہاں تھیں تم؟ تمہیں پتا بھی ہے کہ میں آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں اور تم نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں لگایا۔" افلن اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے عیشاں پہ غصہ نکال رہا تھا۔

"سوری صاحب جی! میں بیگم صاحبہ کو ناشتا کروا رہی تھی۔ میں نے سوچا آپ ابھی سو رہے ہیں اس لیے ناشتا ذرا لیٹ بناؤں گی۔"

"اف.....! تم بھی کمال کی چیز ہو۔" وہ اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے بریف کیس اٹھا کے باہر نکل گیا۔ اب یہاں کھڑے رہ کر ناشتا تیار ہونے کا انتظار کرنا فضول تھا۔ اسے ٹھیک دس بجے ایک میٹنگ کرنا تھی اس لیے تیز تیز قدم اٹھاتا اپنی گاڑی کی سمت بڑھ رہا تھا جب نسرین آپا کی آواز پہ اسے ٹھہرنا پڑا تھا.....

"سنیے صاحب جی....." وہ بھی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گاڑی کی دوسری طرف سے گھوم کے اس کے سامنے آگئی تھیں۔

"جی کہیے.....؟" وہ پینٹ کی جیب سے گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے ان کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

"وہ دراصل کل آپ اور حسام صاحب کسی لڑکی کے لیے بات کر رہے تھے جو بیگم صاحبہ کی دیکھ بھال کر سکے، ان کا خیال رکھے اور انہیں اچھی طرح سنبھال سکے۔" نسرین آپا نے جلد جلدی اپنی بات شروع کی۔

"او اچھا! تو آپ کی نظر میں کوئی لڑکی ہے.....؟"

"جی ہاں صاحب! بہت اچھی لڑکی ہے جیسی آپ چاہتے ہیں ویسی ہی ہے، اپنے کام سے کام رکھنے والی، سمجھ دار اور خاموش طبع ہے۔ نفاست پسند بھی ہے گھر کا ہر کام جانتی ہے۔" نسرین آپا نے فوراً مائدہ کی خوبیاں بیان کی تھیں۔

"ہوں! ٹھیک ہے، آپ اس لڑکی کو کل صبح سات بجے بھیج دیجیے گا۔ میں اس سے مل لوں گا، مناسب لگی تو کل ہی اسے کام پہ رکھ لوں گا۔"

"ٹھیک ہے صاحب! مہربانی آپ کی۔" نسرین آپا سر ہلا کر سامنے سے ہٹ گئیں اور افلن گاڑی نکال

لے گیا تھا اسے آفس پہنچنے کی جلدی تھی۔

☆ ☆ ☆

شیخ زمان ناشتا کرنے کے بعد اپنی دکان پہ جانے کے لیے گھر سے نکلا تو مائدہ بھی عجلت سے گھر کے کام نپٹا کر جاب کی تلاش میں نکلنے کے لیے تیار ہونے لگی۔

"اماں! دعا کرنا مجھے آج کام مل جائے یوں جگہ جگہ دھکے کھانا بھی اچھا نہیں لگتا۔" وہ اپنے بالوں کو سلجھا کر کیچر میں جکڑتے ہوئے بولی۔ دروازے میں کھڑی حلیمہ بی بی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"ان شاء اللہ مل جائے گا کام۔" انہیں اپنے رب پہ پورا بھروسہ تھا اسی لیے یقین سے بولی تھیں۔ اتنے میں باہر کا دروازہ بجنے لگا۔

"یہ صبح صبح کون آگیا؟" حلیمہ بی بی حیرانی سے کہتی ہوئی باہر آئیں اور دروازہ کھول دیا۔

"ارے نسرین ـــــ؟" انہیں نسرین کو دیکھ کر اور بھی حیرانی اور تعجب ہوا تھا۔

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو ـــــ؟ کیا میں نہیں آ سکتی ـــــ؟"

"ارے نہیں آپا! یہ بات نہیں ہے آپ اتنے اتنے دن ادھر کا چکر نہیں لگاتیں اس لیے کہہ رہی ہوں کیونکہ ابھی کل شام کو ہی تو آپ آئی تھیں اور میں سوچ رہی تھی اب مہینے ڈیڑھ مہینے بعد ہی آپ کی شکل دیکھنا نصیب ہوگی۔" وہ سامنے سے ہٹتے ہوئے بولیں اور نسرین آپا اندر آگئیں۔

"بس مائدہ کی وجہ سے کھنچی چلی آئی ہوں کہاں ہے وہ ـــــ؟"

"مائدہ کی وجہ سے ـــــ؟ کیا مطلب ہے آپ کا ـــــ؟ خیر تو ہے؟" حلیمہ بی بی اب تو ذرا ذرا سی بات پہ چونکنی ہو جاتی تھیں۔

"جو میں نے پوچھا ہے وہ بتاؤ ناں ـــــ؟"

"جی! وہ اندر تیار ہو رہی ہے۔"

"اچھا! مائدہ کو بلاؤ۔" انہوں نے کہا اور برآمدے میں بچھے تخت پہ بیٹھ گئی تھیں۔

"مائدہ ـــــ!" انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے آواز دی تھی۔

"باہر آؤ تمہاری خالہ آئی ہیں۔ تم سے کوئی کام ہے شاید۔"

"جی ابھی آئی۔" وہ اندر سے بولی۔

"السلام علیکم خالہ!" خیریت صبح صبح کیسے رستہ بھول گئیں۔" مائدہ نے بھی آتے ہی حیرانی ظاہر کی تھی۔

"ارے پگلی! بیٹھ ادھر کل شام سے ہی تمہارے کام کے لیے سوچ رہی تھی پھر صبح ہوتے ہی تمہارے کام کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔"

"میرے کام کے لیے؟"

"ہاں! تمہارے کام کے لیے اب تم بتاؤ کہ تمہارے لیے کام کرنا ضروری ہے یا پھر۔"

"میرے لیے کام کرنا ضروری ہے چاہیے کام کوئی بھی ہو۔" مائدہ درمیان میں ہی بول پڑی تھی۔ اس کا لہجہ اور انداز بے حد سنجیدہ تھے۔

"افگن صاحب کی دادی بی کی دیکھ بھال کرو گی؟" انہوں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"یہ کیسا کام ہے؟" مائدہ کو اچھنبا ہوا۔

"ارے بیٹا! ایسے کام ہزاروں مجبور اور ضرورت مند لڑکیاں کر رہی ہیں۔ اتنا بڑا گھر ہے ان کا بیگم صاحبہ بالکل اکیلی ہوتی ہیں۔ افگن صاحب صبح آفس کے لیے نکلتے ہیں اور شام کو واپس آتے ہیں بلکہ یوں کہو کہ رات کو واپس آتے ہیں۔ گھر میں چوکیدار مالی ڈرائیور اور ایک ملازمہ بھی ہے لیکن وہ بے چاری اکیلی بیگم صاحبہ کو اور گھر کو نہیں سنبھال سکتی اس لیے افگن صاحب چاہتے ہیں کہ کوئی اچھی اور سمجھ دار لڑکی ملے تو وہ اسے بیگم صاحبہ کی دیکھ بھال اور تیمارداری پہ مامور کر دیں۔ وہ تو خود بڑی ہشاش بشاش اور چاق و چوبند خاتون تھیں لیکن اس نامراد ایکسیڈنٹ نے انہیں بستر سے لگا دیا ہے۔ بڑی نفاست پسند طبیعت کی ہیں اسی لیے وہ چاہتے ہیں کہ کوئی سلیقہ مند لڑکی ملے اور تنخواہ بھی اچھی دیں

گے۔"
"تو کیا وہ مجھے کام پہ رکھ لیں گے؟" مائدہ نے جیسے یقین چاہا۔
"ہاں کیوں نہیں رکھیں گے بھلا۔۔۔ میں ابھی ان ہی سے بات کرکے آئی ہوں وہ آفس کے لیے نکل رہے تھے میں نے تمہارے لیے بات کی تو کہنے لگے کہ کل صبح سات بجے بھیج دینا تم جاکر ان سے مل لینا اور ساتھ میں یہ بھی بتا دینا کہ میں نے تمہیں بھیجا ہے۔"
انہوں نے مائدہ کو تفصیل سے سمجھایا۔
"سچ خالہ! مجھے کام مل جائے گا ناں؟"
مائدہ نے ان کے ہاتھ تھام لیے تھے۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا کہ وہ اس گھر کی چار دیواری سے چند گھنٹوں کے لیے آزاد ہو رہی ہے اس کا مقصد یہاں سے نکلنا تھا ورنہ اسے کام سے تو کوئی غرض نہیں تھی، شیخ زمان کی نظروں سے چھپنا چاہتی تھی ' ورنہ یوں بھی اس کی تعلیم زیادہ نہ تھی۔ اسے کسی بڑے دفتر میں مشکل سے ہی ملازمت ملتی۔
"ہاں ہاں! مل جائے گا پگلی!" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور مائدہ بے ساختہ ان کے گلے لگ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ صبح فجر کے وقت بیدار ہوئی وضو کرکے نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ وہ نماز پڑھ کے دعا مانگ رہی تھی جب اس کے کمرے کا دروازہ ہلکی سی آہٹ سے کھلا اور بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ مائدہ نے اپنی بند آنکھیں کھولتے ہوئے یکدم گردن موڑ کے اپنے پیچھے دیکھا تو اک سنسنی سی پورے جسم میں سرایت کر گئی اس کے لب دعا کرنا بھول گئے وہ شیطان اس کے قریب آچکا تھا۔
"آہ۔۔۔!" تکلیف کے مارے اس کے منہ سے اک شدید قسم کی آہ نکلی تھی اسے جائے نماز سے بالوں سے پکڑ کے اٹھایا اور اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔
"تم کیا سمجھتی ہو کہ اس طرح نوکری کرکے اور گھر سے باہر رہ کر تم مجھ سے بچ جاؤ گی یا پھر وہ تمہاری بے وقوف ماں تمہیں مجھ سے بچا لے گی۔۔۔؟ ہونہہ! بھول ہے تم دونوں ماں بیٹی کی تمہارے لڑکپن سے لے کر تمہاری جوانی تک تم پہ میرا جتنا بھی خرچ ہوا ہے' وہ ایک بار تم سے وصول کر کے ہی رہوں گا۔ بس انتظار کرو کہ یہ ہو تا کب ہے۔۔۔؟ اور ہاں اب اگر اپنی ماں کو کچھ بتایا تو یاد رکھنا کھڑے کھڑے اسے طلاق دے کر گھر سے باہر کر دوں گا میں اگر اسے برداشت کر رہا ہوں تو صرف تمہاری وجہ سے۔ نوکری کرو' بے شک کرو' لیکن مجھ سے بچنے کے خواب مت دیکھو' ورنہ آنکھیں نکال دوں گا۔۔۔ سمجھیں تم۔۔۔؟"
اس نے اک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑے۔ وہ کافی غیر متوازن قدموں پہ کھڑی تھی' سیدھی جائے نماز پہ عین سجدے کی جگہ جاگری تھی اس کا سر زور سے زمین سے ٹکرایا اور وہ چکرا گئی۔۔۔ اس نے اپنے چکراتے ہوئے سر کو تھاما' وہ وہیں جائے نماز پہ بیٹھی اپنے گھٹنوں میں منہ دیے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔
"اے اللہ! اگر مجھ سے کوئی غلطی' کوئی گناہ ہو گیا ہے تو مجھے معاف فرما دے۔ مجھے اس شیطان سے بچا لے اے اللہ! میری عزت و ناموس کی حفاظت تیرے ذمے ہے۔ میرا دامن داغ سے بچانا بے شک تو اپنے بندوں کو ان کی برداشت سے زیادہ نہیں آزماتا۔"
وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے کافی بلند آواز میں روتے ہوئے اپنے رب کے آگے فریاد کر رہی تھی اور شیخ زمان جیسا شیطان یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ وقت قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔۔۔!

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے مائدہ تم روتی رہی ہو؟" حلیمہ بی بی اس کی سوجی ہوئی متورم آنکھیں دیکھتے ہی بھانپ گئیں کہ وہ روئی ہے۔
"نہیں۔" اس نے سختی سے انکار کر دیا۔

"تو پھر تمہاری آنکھیں اور چہرا۔۔۔؟"

"آپ مجھے لیٹ نہ کریں' جلدی سے ناشتا دیں مجھے نکلنا بھی ہے۔" وہ ٹائم دیکھتے ہوئے عجلت کا ظاہرہ کرتے ہوئے بولی تھی۔

"اکیلی چلی جاؤ گی افگن صاحب کے گھر۔۔۔؟"

"ظاہر ہے' کام میں نے اکیلے کرنا ہے تو میں نے اکیلے ہی جانا ہے نا۔" وہ لاپروائی سے کہتی ہوئی ان کی بات ٹال گئی تھی۔

اس نے جلدی جلدی دو چار لقمے زہر مار کیے اور حلیمہ بی بی کو اللہ حافظ کہتے ہوئے باہر نکل آئی۔ شیخ زمان اس کو سولی پر لٹکا کر مزے سے سو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

مائدہ اس گھر کے وسیع و عریض احاطے کو حیران اور مرعوب نظروں سے دیکھتی ہوئی گیٹ کے قریب آئی تھی اور بیل بجا دی۔۔۔ اگلے پانچ سیکنڈ میں اندر سے چوکیدار نمودار ہو گیا۔

"جی فرمائیے' کس سے ملنا ہے؟"

"جی وہ۔۔۔ افگن افروز صاحب سے ملنا ہے۔"

مائدہ نے اپنا اعتماد بحال رکھنے کی کوشش کی۔

"کس سلسلے میں ملنا ہے آپ نے؟" چوکیدار پوری معلومات چاہ رہا تھا۔

"وہ دراصل انہیں بیگم صاحبہ کے لیے کسی۔۔۔"

"اوہ اچھا اچھا' میں سمجھ گیا آپ نسرین آپا کی طرف سے آئی ہیں؟" چوکیدار کو بھی شاید پہلے سے پتا تھا۔

"جی! مجھے نسرین خالہ نے ہی بھیجا ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آیئے! اندر آجایئے' صاحب بھی آپ کا انتظار کر رہے تھے۔" چوکیدار اسے اندر آنے کے لیے راستہ دیتے ہوئے خود پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اندر آئی اور چوکیدار کی معیت میں چلتی ہوئی اندر پہنچی اس آدمی کو دیکھتی رہ گئی تولیہ سے بال رگڑتا ہوا انہی کی سمت پلٹتا تھا۔

"صاحب!" چوکیدار نے کافی دھیمے اور مؤدب لہجے میں پکارا تھا۔ افگن نے تولیے والا ہاتھ روکتے ہوئے چوکیدار کی سمت دیکھا لیکن اس کے ساتھ ایک اجنبی لڑکی کو دیکھ کر چونک گیا۔

"صاحب! نسرین آپا نے بیگم صاحبہ کے لیے بھیجا ہے انہیں۔" چوکیدار نے تعارف کرایا۔

"اوہ اچھا! ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ انہیں۔ میں دس منٹ میں آرہا ہوں۔"

افگن کا لب و لہجہ نپا تلا سا تھا۔ اس نے ٹیبل پہ رکھا جوس کا گلاس اٹھا کے منہ سے لگا لیا۔ مائدہ افگن افروز کو دیکھتی ہوئی چوکیدار کے ساتھ واپس پلٹ گئی وہ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلا گیا۔ وہ ڈرائنگ روم کا جائزہ لے رہی تھی افگن افروز نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہوئے گلا کھنکار کے اسے متوجہ کیا تو وہ یکدم گڑبڑا کے صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم۔۔۔!" اسے اچانک سلام کرنے کا خیال آیا تھا۔

"وعلیکم السلام! بیٹھیے۔" افگن نے اسے دوبارہ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے مقابل والے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"کیا نام ہے آپ کا؟"

"مائدہ امین!"

"آپ کو پتا ہے کہ آپ کو یہاں کس کام کے لیے بھیجا گیا ہے؟"

"جی! بڑی بیگم صاحبہ کی دیکھ بھال کے لیے۔" اس نے آہستگی سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"تو کیا آپ دادی بی کی دیکھ بھال کر سکیں گی؟" وہ اپنے مطلب کے دو ٹوک سوال پوچھ رہا تھا۔

"جی کیوں نہیں۔۔۔ اسی لیے تو آئی ہوں۔" مائدہ کا رفتہ رفتہ اعتماد بحال ہو رہا تھا۔

"آپ جانتی ہیں' کسی کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اٹھانا آسان کام نہیں ہے؟"

"کسی کو اپنا سمجھ کر یہ ذمہ داری اٹھا لیں تو ذرا بھی مشکل نہیں لگتی' لیکن اگر محض کام سمجھ کر یہ ذمہ داری نبھائی جائے تو واقعی بہت مشکل لگتی ہے۔" مائدہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا۔

"تو آپ کیا سمجھ کر یہ ذمہ داری نبھائیں گی؟" افلن نے مائدہ کے چہرے کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھا تھا نظریں کافی گہری تھیں۔

"میں ان کو اپنا سمجھ کر ذمہ داری نبھاؤں گی۔"

"کیوں؟ آپ کا ان کے ساتھ ایسا کیا ریلیشن ہے کہ آپ انہیں اپنا سمجھ کے ذمہ داری نبھائیں گی؟" افلن کا لہجہ اور انداز تیکھا ہو گیا تھا۔

"دیکھیے سر! میرا۔ انسانیت کا رشتہ ہے' آپ مجھے تنخواہ کے نام پہ کچھ بھی نہ دیں میں تب بھی ان کی دیکھ بھال کے لیے آسکتی ہوں' کیونکہ وہ اس وقت بے بسی اور معذوری کے دور سے گزر رہی ہیں۔ انہیں کسی انسان کے سہارے کی ضرورت ہے اور مجھے خوشی ہے کہ ان کی خدمت کے لیے اللہ نے مجھے منتخب کیا ہے' مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

"حیرت ہو رہی ہے آپ کی بات پہ" افلن نے اپنی حیرت کا برملا اظہار کیا تھا۔

"حیرت کس بات پہ ہے آپ کو....؟"

"آپ کے انسانیت بھرے لیکچر پہ' کیونکہ عورت اپنے مفاد کے بغیر کبھی کوئی کام نہیں کرتی۔" افلن کا لہجہ سرد ہو گیا تھا۔

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں.... اپنے مفاد کے بغیر تو کوئی بھی انسان کام نہیں کرتا' صرف عورت پہ ہی الزام کیوں رکھ رہے ہیں آپ؟"

"کیونکہ عورت کو مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا...."

افلن افروز یکدم اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے چبا کر بولا تھا۔

"اور مرد کتنا مفاد پرست ہے' یہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔"

مائدہ بھی اپنے اندر کی تلخی چھپا نہیں پائی تھی۔ اس کا جی چاہا ایک پل میں افلن افروز پہ مرد کی مردانگی اور کرتوتوں کے قصے واضح کر کے رکھ دے لیکن وہ کام کے لیے آئی تھی.... اسی لیے چپ ہو رہی تھی.... اور خاموشی تو دوسری طرف بھی چھائی ہوئی تھی وہ لب بھینچے نجانے کیا سوچ رہا تھا....

"دیکھیے سر! آپ نے جو کہنا ہے کہہ دیجیے ورنہ مجھے اجازت دیں۔"

وہ اپنا بیگ اٹھاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی لیکن افلن افروز اب اتنا بھی مشتعل نہیں ہوا تھا کہ جس سے کام تھا اسے ہی نکال دیتا۔

"ٹھہریے مس مائدہ امین!" اس نے مائدہ کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دیا تھا اور خود صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا.... وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

"آپ آج سے ہی اپنا کام جوائن کر سکتی ہیں اور ہاں' آپ نے تنخواہ کتنی لینی ہے' یہ بھی بتا دیجیے گا۔" وہ کہہ کے وہاں رکا نہیں بلکہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ مائدہ کو افلن افروز کی عجیب سی شخصیت پہ حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے تو خالہ نسرین سے بہت تعریفیں سنی تھیں اس کی' اور وہ تو پہلی ملاقات میں ہی کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ اس کا عجیب و غریب رویہ اسے حیرت میں ڈال رہا تھا....

☼ ☼ ☼

دادی بی اور مائدہ کی انڈر اسٹینڈنگ ایسی ہوئی کہ وہ دونوں ہی اپنے اپنے غم بھول گئیں اور اک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش میں مگن ہو گئیں۔ دادی بی کو مائدہ کی صورت میں ایک ساتھی اور غم خوار مل گیا تھا وہ دن بھر ان کے ساتھ رہتی ان کی باتیں سنتے ہوئے کام نپٹاتی رہتی تھی اور شام ڈھلے جب وہ واپسی کے لیے رخصت ہوتی تو وہ دونوں ہی اداس ہو جاتی تھیں۔

مائدہ کا گھر واپس جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ اسے پتا تھا کہ وہ واپس جائے گی تو شیخ زمان کی غلیظ نظروں سے سامنا ہوگا اسی لیے وہ اکثر اپنے ٹائم سے بھی لیٹ ہو جاتی تھی۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مائدہ کا چھ بجے آف ہو چکا تھا لیکن وہ پھر بھی جانے کے لیے تیار نظر نہیں آرہی تھی۔ دادی بی کو وضو کروا کے وہ خود وضو کرنے چلی گئی' پھر واپس آکر اس نے بھی نماز کی نیت باندھ لی تھی۔

"السلام علیکم دادی بی!"

افگن دادی بی کے بیڈ روم کا دروازہ کھول کے اچانک اندر داخل ہوا تھا لیکن جیسے ہی دادی بی کے بیڈ کے قریب نظر پڑی۔ اس کے قدم اور الفاظ وہیں تھم گئے تھے۔

"وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو۔۔۔" دادی بی سلام پھیر چکی تھیں اور تسبیح پڑھ رہی تھیں افگن کو دیکھتے ہی فوراً بول پڑی تھیں۔

"ہوں! کیسی ہیں آپ۔" وہ دھیمے اور بھاری قدموں سے چلتا ہوا ان کے قریب آگیا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" دادی بی نے حیرت سے کہتے ہوئے اسے متوجہ کیا تھا اور افگن بری طرح چونک اٹھا۔ مائدہ سلام پھیر چکی تھی اور اب دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہی تھی۔

"کچھ نہیں! میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ مس مائدہ امین اپنے وقت سے آدھا گھنٹہ لیٹ ہو چکی ہیں، انہوں نے گھر نہیں جانا؟" افگن کو بھی اس کے لیٹ ہونے کا احساس ہو چکا تھا اسی لیے گھڑی سمت دیکھا تھا۔

"ارے بیٹا! مائدہ تو اکثر ہی لیٹ ہو جاتی ہے۔ مغرب کی نماز میرے ساتھ پڑھ کے گھر واپس جاتی ہے۔"

"اچھا۔۔۔؟" اسے اچنبھا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے دادی بی! میں اب چلتی ہوں۔" وہ جائے نماز سمیٹ کر چادر اوڑھتی ہوئی ان کے پاس آ گئی تھی۔

"ارے بیٹا! تھوڑی دیر اور ٹھہر جاتیں ہمارے ساتھ کھانا کھا لیتیں۔"

"نہیں دادی بی! کھانا میں اماں کے ساتھ جا کر کھاؤں گی۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ آپ مجھے اجازت دیجئے۔ میں چلتی ہوں۔" اس نے انکار کر دیا تھا۔

"ڈرائیور سے کہو، وہ تمہیں چھوڑ آتا ہے۔ شام کافی گہری ہو چکی ہے۔" "نہیں دادی بی! میں چلی جاؤں گی مہربانی آپ کی۔" مائدہ نے ان کے قریب بیٹھے افگن کو دیکھتے ہوئے انکار کر دیا تھا۔ وہ چپ چاپ ان دونوں کی گفتگو اور اپنائیت بھرے لہجے سن رہا تھا۔

"نہیں بیٹا! شہر کے حالات تو ویسے ہی بہت خراب ہیں۔ جوان لڑکیوں کا اس وقت اکیلے باہر نکلنا ٹھیک نہیں ہے۔ افگن اٹھو بیٹا! رشید سے کہو مائدہ کو اس کے گھر ڈراپ کر آئے۔" انہوں نے افگن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"رشید گھر پہ نہیں ہے۔" افگن نے لٹھ مار سا جواب دیا۔

"کیوں کہاں ہے وہ۔۔۔؟"

"عیشاں کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گیا ہوا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" افگن کو اب دادی بی کے سوال و جواب سے الجھن ہونے لگی تھی۔

"دیکھو بیٹا! وہ اکیلی اس وقت کیسے جائے۔۔۔ جوان جہان لڑکی ہے کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ ایسا کرو تم اسے ڈراپ کر دو، بس پانچ دس منٹ کا راستہ ہے، ذرا سی زحمت کر لو۔"

دادی بی نے ڈرائیور کا کام افگن کے کندھوں پہ ڈال دیا۔۔۔ لیکن وہ اتنی مروت نبھانے والا نہیں تھا۔

"آئی ایم سوری، یہ کام میرا نہیں ہے۔"

وہ کہہ کے وہاں سے اٹھ گیا تھا اور دادی بی اور مائدہ دیکھتی رہ گئیں۔ دادی بی کو اس سے ایسی بے مروتی کی ہرگز امید نہیں تھی۔ مائدہ کو پتا تھا کہ دادی بی کو افگن افروز کے رویے پہ شرمندگی ہوئی ہے اسی لیے وہ انہیں شرمندگی کے احساس سے نکالنے کے لیے کافی نارمل اور لاپرواہ سے انداز میں مخاطب ہوئی تھی۔

"افگن صاحب ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں دادی بی! ڈرائیور ہوتا تو اور بات تھی۔ اب وہ کہاں مجھے ڈراپ کرنے کے لیے جائیں۔۔۔؟ انہیں تنگ کرنے سے بہتر ہے میں خود ہی چلی جاؤں، وہ بھی تو آفس سے تھکے ہوئے آئے ہیں۔"

"لیکن مائدہ اس نے۔۔۔"

"ڈونٹ وری دادی بی۔۔۔! انہوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا جو مجھے یا آپ کو برا لگے۔ تھکن کے باعث

بندے کا مزاج ایسا ہو ہی جاتا ہے' میں آسانی سے گھر چلی جاؤں گی آپ فکر نہ کریں۔ اپنا خیال رکھیے گا' اللہ حافظ۔"

وہ انہیں سمجھا کر تسلی دیتی ہوئی باہر نکل آئی تھی لیکن باہر آکر اس کے قدم سست پڑ گئے تھے اور اس کے قدموں کی سستی ٹیرس میں کھڑے افگن افروز سے چھپی ہوئی نہیں رہ سکی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے جا رہی تھی۔ اس نے دوبار ٹھہر کر پلٹ کر اس گھر کو دیکھا۔ اور بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھا پھر آگے بڑھ کر دروازہ عبور کر گئی۔ افگن افروز کو اس کا انداز سمجھ میں نہیں آیا تھا وہ الجھ سا گیا تھا...!

☼ ☼ ☼

اندھیرے کے باوجود سڑک الیکٹرک پول اور گاڑیوں کی روشنیوں میں جگمگا رہی تھی مائدہ پیدل چلتی ہوئی رہائشی ایریا سے نکل کر فٹ پاتھ پہ آگئی تھی۔ اس کے قدم اب بھی سست روی سے اٹھ رہے تھے۔ اس کا دل چاہتا تھا وہ دن رات گھر سے باہر رہے تاکہ ایک پل کے لیے بھی شیخ زمان کی نظروں کا سامنا نہ ہو... لیکن لاکھ کوششوں کے باوجود بھی ایسا ہوتا نہیں تھا۔ وہ شیطان تو جیسے دروازے پہ ہی نظریں جمائے بیٹھا ہوتا تھا... مائدہ وہ اپنے دھیان میں گم چلی جا رہی تھی جب اسے لگا جیسے کہ شیخ زمان نے اسے پکارا ہے... اس نے اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹک دیا تھا۔

"مائدہ! گاڑی میں بیٹھو' میں تمہیں ہی لینے کے لیے آیا ہوں۔" دوبارہ شیخ زمان کی آواز سنائی دی تو اس نے یکدم کرنٹ کھا کے دیکھا تھا۔ شیخ زمان پرانے ماڈل کی اپنی پھٹیچر سی گاڑی میں بیٹھا اسے مخاطب کرتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ مائدہ اس کے ساتھ اکیلی گاڑی میں بیٹھ جاتی... اسے تو سوچ کے ہی جھرجھری سی آگئی تھی۔

"میں چلی جاؤں گی۔"

"مجھے پتا ہے چلی جاؤ گی لیکن میرے ساتھ جانے میں کیا حرج ہے۔"

"میں نے کہا ناں چلی جاؤں گی خود۔" مائدہ چبا کر بولی تھی۔

"بہت پر نکل آئے ہیں تم دونوں ماں بیٹی کے' کاٹ کے رکھ دوں گا۔ آرام سے گاڑی میں بیٹھو۔ تمہاری بکواس سننے نہیں آیا۔ تمہاری ماں نے بھیجا ہے مجھے۔"

شیخ زمان گاڑی سے نکل آیا اور مائدہ گھبرا گئی کہ آس پاس کے لوگ کیا سوچیں گے... یہاں کوئی تماشا نہ بن جائے۔

"آپ کو میری ماں بھیجے یا میرا باپ' میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" اس نے نفرت سے کہتے ہوئے منہ پھیر لیا تھا۔

"تمہارا تو باپ بھی جائے گا۔ کیسے نہیں جاتیں تم..." شیخ زمان نے غصے سے مشتعل ہوتے ہوئے مائدہ کی کلائی دبوچ کر اسے گاڑی کی سمت کھینچا تھا اور پھر مائدہ کی برداشت جواب دے گئی۔ اس نے شیخ زمان کے لمس پہ پاگل ہوتے ہوئے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔ اور اس سے پہلے کہ شیخ زمان غیض و غضب میں آکر جواباً کوئی کارروائی کرتا مائدہ اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑا کر یکدم بھاگ کھڑی ہوئی۔ اور ایسی اندھا دھند بھاگی کہ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ اور یونہی بھاگتے بھاگتے اسے ہوش اس وقت آیا جب وہ اپنے گھر کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ اس نے دروازہ دھڑا دھڑ پیٹ ڈالا۔

"اماں دروازہ کھولو۔" اس کی آواز ہانپ رہی تھی اور سانس پھولی ہوئی تھی۔

"اماں۔" اس نے دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا تھا۔

"اللہ خیر کرے کیا ہو گیا ہے بھئی...؟" حلیمہ بی بی نے دروازہ کھولتے ہوئے دہل کے کہا تھا اور مائدہ نے اندر داخل ہو کر اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا تھا۔

"ارے کیا ہو گیا ہے بیٹا مجھے کچھ بتاؤ تو سہی...؟"

حلیمہ بی بی بھی گھبرا گئی تھیں۔
"اماں!.... وہ، وہ شیخ زمان.... وہ میں نے اسے۔" مائدہ کی سانس پھولی ہونے کی وجہ سے بات بھی بے ربط سی تھی۔
"کیا ہوا ہے شیخ صاحب کو....؟" حلیمہ بی بی الجھ گئیں۔
"اماں! وہ مجھے گاڑی میں...." مائدہ وہیں دروازے کے قریب ہی ڈھے گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

حلیمہ بی بی کے گھبراہٹ کے مارے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔ وہ بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھیں۔
"مائدہ! بتاؤ ناں کیا ہوا ہے، میرا دل گھبرا رہا ہے؟"
"اماں! میں نے انہیں تھپڑ مار دیا ہے۔ وہ.... وہ زبردستی مجھے گاڑی میں بٹھا رہے تھے، میں نے انکار کر دیا تو میری کلائی پکڑ کر کھینچنے لگے مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ میں کیا کروں.... اس لیے غصے میں۔"
وہ کہتے ہوئے رو پڑی اور حلیمہ بی بی ساکت بیٹھی رہ گئیں۔ ان کا دماغ سن ہو چکا تھا۔ انہیں اپنی زندگی اور اپنی بیٹی کی عزت خطرے میں نظر آرہی تھیں اور بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا....!

☆ ☆ ☆

"لگتا ہے تم ساری رات سوئی نہیں ہو، یا پھر روتی رہی ہو...." وہ دادی بی کو اخبار سنانے کے لیے بیٹھی تو دادی بی نے اچانک سوال داغ دیا تھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے دادی بی! آپ نیوز سنیں۔" مائدہ کی آواز کافی بوجھل ہو رہی تھی۔
"نہیں! مجھے وہ نیوز سناؤ جو تمہارا چہرہ اور تمہاری آنکھیں سنا رہی ہیں۔" دادی بی اپنی بات پہ جم چکی تھیں۔
"میرے پاس کچھ اچھا نہیں ہے سنانے کے لیے۔" مائدہ کا سر جھک گیا تھا۔
"اچھا تو اس اخبار میں بھی نہیں ہے جو تم مجھے سنانے کے لیے بیٹھی ہو۔"
"ہاں تو یہی سمجھ لیں کہ میری نیوز آپ کو اس اخبار کی کسی سرخی سے ہی مل جائے گی روز کسی نہ کسی لڑکی کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے، کسی لڑکی کے ساتھ بہنوئی زیادتی کر ڈالتا ہے، کسی لڑکی پہ سوتیلے باپ کی بری نظر ہوتی ہے، کوئی اجتماعی زیادتی کا شکار ہو جاتی ہے کسی کو اغوا کر لیا جاتا ہے اور کسی کو...."
"مائدہ....؟" دادی بی اسے درمیان میں ہی روک چکی تھیں وہ بلا کی ذہین تھیں انہیں نیوز سمجھ آچکی تھی۔

"دادی بی سب کچھ سمجھ چکی تھیں۔ مائدہ ان کے قدموں میں آبیٹھی تھی اور ان کے گھٹنے پر سر رکھ کے تڑپ تڑپ گئی تھی۔
"میرے اماں، ابا نے اپنی پسند سے شادی کی تھی اس لیے خاندان میں کسی نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ دونوں اکیلے رہتے تھے لیکن میری پیدائش کے آٹھ سال بعد ابا کی وفات ہو گئی اور اماں اکیلی رہ گئیں دو تین سال وہ ادھر ادھر کرائے کے مکانوں میں دھکے کھاتی رہیں لیکن ایک بیٹی کے ساتھ وہ کب تک خوار ہو سکتی تھیں، انہیں کسی کے سہارے اور سر پہ چھت کی ضرورت تھی اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹی کو محفوظ رکھنے کے لیے شیخ زمان سے شادی کر لی۔ شیخ زمان کی اپنی بھی دو بیٹیاں تھیں جنہیں اماں نے ہمیشہ مجھ سے بھی زیادہ پیار دیا۔ جب تک وہ رہیں، سب ٹھیک تھا، جیسے ہی ان کی شادیاں ہوئیں، شیخ زمان کی نظریں غلیظ سے غلیظ تر ہوتی گئیں۔ راتوں کو اماں دوا کھا کر سو رہی ہوتیں تو شیخ زمان میرے کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوششوں میں لگ جاتا۔ اماں گھر سے باہر نکلتیں تو وہ تنہائی ڈھونڈنے لگ جاتا اور میں اپنی عزت چھپا چھپا کر ہلکان ہو جاتی ہوں، اسی لیے میں نے نوکری کر لی تاکہ مجھے سارا دن گھر پہ نہ رہنا پڑے لیکن کل شام کو جب میں واپس جا رہی تھی تو وہ اچانک کہیں سے آگیا اور مجھے ساتھ چلنے کا کہنے لگا اور میں نے اس کی زبردستی پہ اس کے منہ پہ تھپڑ مار دیا تھا، جس پہ مجھے

توقع امید تھی کہ وہ مجھے اور اماں کو گھر آکر خوب تنگ کرے گا' مارے گا' ہنگامہ اٹھائے گا' لیکن اس نے کچھ نہیں کیا' وہ کل رات سے خاموش ہے۔ پتا نہیں اب اس کی خاموشی کے پیچھے کیا راز ہے؟ کیا کرے گا وہ۔۔۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

مائدہ روتے ہوئے سب کچھ بتا گئی تھی اور دادی بی گم صم سی ہو کر رہ گئیں۔ ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے۔ مائدہ کے آنسوؤں سے ان کا گھٹنا بھیگ چکا تھا۔۔۔

☼ ☼ ☼

"مائدہ بی بی۔۔۔!" عشاں کی آواز پہ سوپ بناتی مائدہ نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

"ہوں کہو۔۔۔" اس نے دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا۔

"صاحب نے آپ کو اپنے کمرے میں بلایا ہے۔"

عشاں نے پیغام پہنچایا۔

"صاحب نے۔۔۔" مائدہ چند ثانیے کے لیے ٹھٹک سی گئی۔ پھر اگلے ہی لمحے وہ خود کو سنبھالتی افگن کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ پہلی بار اوپر اس کے کمرے کی طرف آئی تھی اس لیے جھجک بھی ہو رہی تھی لیکن کچھ دیر کے لیے شرم و جھجک کو بالائے طاق رکھ کر اس نے دروازے پہ اک اعتماد بھری دستک دے ڈالی۔

"یس کم ان۔" اندر سے سنائی دینے والی آواز گمبھیر اور بے انتہا سرد تھی۔ مائدہ کو اس آواز کا سرد پن اپنے جسم و جان میں سرایت کرتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ اپنی تمام تر ہمتیں مجتمع کرتی دروازہ دھکیل کر اندر چلی آئی وہ اپنے کمرے میں زخمی شیر کی مانند ادھر ادھر ٹہل رہا تھا اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں سلگتا سگریٹ اس کے غصے کی نشاندہی کر رہا تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔۔" مائدہ نے سلام کیا لیکن وہاں سے سلام کا جواب نہ آیا۔

"بیٹھیے مس مائدہ امین!" اس نے ضبط کرتے ہوئے کافی طنزیہ سے انداز میں صوفے کی سمت اشارہ کیا تھا۔

"تھینک یو سر!" وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔

"یقیناً" آپ کو پتا ہوگا کہ میں نے آپ کو یہاں کس لیے بلایا ہے۔۔۔؟" وہ سگریٹ کا گہرا کش لیتے ہوئے سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسل چکا تھا۔

"جی! پتا ہے مجھے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"لیکن آپ کو یہ نہیں پتا کہ میں آپ کی ساری چال بازی سمجھتا ہوں۔" افگن کے لب و لہجے میں نفرت اور حقارت تھی۔ مائدہ نے یکدم چونک کے اسے دیکھا تھا۔

"چال بازی۔۔۔"

"ہاں چال بازی' جو آپ نے دادی بی کے سامنے کھیلی ہے' خود کو مظلوم اور غریب ظاہر کرتے ہوئے۔"

"سر! میں اگر کوئی چال بازی کر رہی ہوں تو دعا کرتی ہوں میرا رب مجھے ابھی ابھی اس کی سزا دے دے اور دادی بی کے سامنے میں نے صرف اپنی زندگی کی کتاب کھول کے رکھی ہے اب اس کتاب کو پڑھ کے ان کے دل میں کیا خیال آیا ہے۔۔۔ اور کیوں آیا ہے اس کے بارے میں میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں؟ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آپ کو اگر یہ سب منظور نہیں تو انکار کر دیجیے۔ آپ کسی کے پابند یا محتاج تو نہیں ہیں ناں۔ محتاج تو مجھ جیسے اور دادی بی جیسے لوگ ہوتے ہیں' جو کسی کے آسرے اور سہارے پہ جی رہے ہوتے ہیں۔"

مائدہ کا لہجہ بے بسی لیے ہوئے تھا۔

"مس مائدہ امین! میں ایموشنل بلیک میل ہونے والا آدمی نہیں ہوں' مجھے زندگی میں صرف ایک عورت نے بلیک میل کیا ہے' اس کے بعد دوبارہ نہیں ہو سکتا۔" وہ یکدم غرا کے بولا تھا۔

"تو آپ کیوں ہو رہے ہیں ایموشنل۔۔۔ آپ نے جو بھی کام کرنا ہے ٹھنڈے دل و دماغ سے کریں۔"

"میں ٹھنڈے دل و دماغ سے کیسے کر سکتا ہوں سب؟ جبکہ دادی بی آپ کے حق میں بول رہی ہیں۔"

"ان کی بات ٹالنا کون سا مشکل ہے آپ کے لیے۔"

مائدہ کے اطمینان سے کہنے پہ وہ اور بھی مشتعل ہو گیا۔ اس نے صوفے کے ہتھے پہ ہاتھ جما کر مائدہ کی سمت جھکتے ہوئے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا تھا۔

"مس مائدہ امین! مجھ سے شادی کرنے کے بعد اپنے عورت ہونے کا ہر روز تاوان بھرو گی تم۔ ہر روز اذیت دوں گا۔ ہر روز تڑپو گی۔ مجھ سے بھاگنے کی کوششیں کرو گی اور میں تمہیں بھاگنے نہیں دوں گا۔" وہ اک اک لفظ چبا چبا کر ادا کر رہا تھا اور مائدہ کے چہرے پہ اک بے بس سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی تھی۔

"مجھے منظور ہے سر!" اس نے سب کچھ سہنے اور برداشت کرنے کے لیے رضامندی دے دی تھی اور افکن افروز اس کے اس فیصلے پہ جیسے یکدم چپ سا ہو گیا۔ مائدہ کے سنہری رنگت والے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے اس نے گہری سانس کھینچی اور سیدھے ہوتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

"ٹھیک ہے' آپ نکاح کی تیاری کریں۔"

افکن نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا تھا جب تک دادی بی ٹھیک تھیں' افکن اپنی من مانی کرتا آیا تھا لیکن جب سے وہ ایکسیڈنٹ کے بعد معذوری کا شکار ہوئی تھیں' افکن نے انہیں پریشان کرنا چھوڑ دیا تھا' وہ ان کی بات نہیں ٹالتا تھا اور دادی بی نے اس کی اسی سعادت مندی کا فائدہ اٹھالیا' انہوں نے افکن کے لیے مائدہ کا انتخاب کرلیا۔ افکن راضی نہیں تھا مگر مائدہ جسے ایک گھر' ایک سائبان' ایک پناہ مل رہی تھی وہ انکار کیسے کرتی اور کیسے پیچھے ہٹتی..... افکن افروز جو بھی تھا' جیسا بھی تھا اسے قبول تھا' کیونکہ وہ اسے اپنا نام دے رہا تھا شیخ زمان سے پناہ دے رہا تھا چاہے غصے میں ہی سہی کم از کم اپنا تو رہا تھا ناں.....؟

"تھینک یو....." وہ کہہ کے باہر نکل آئی تھی۔

"مائدہ! کیا کہا افکن نے؟" دادی بی کو عشال نے بتا دیا تھا کہ مائدہ افکن صاحب کے کمرے میں گئی ہے اس لیے وہ اسی کے انتظار میں تھیں۔

"کہتے ہیں نکاح کی تیاری کریں۔" مائدہ بے حد آہستگی سے بولی تھی۔

"ارے سچ.....؟" خوشی کے مارے ان کا چہرہ کھل اٹھا اور مائدہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے ان کے کندھے سے لگ گئی تھی.....!

☼ ☼ ☼

حلیمہ بی بی نے فرح اور حرا دونوں کو فون کر کے بلا لیا تھا۔ ان کے شوہر اور بچے بھی ساتھ آئے تھے۔ وہ سب ہی مائدہ کے نکاح پہ بہت خوش تھے اور اپنی اس خوشی کا اظہار بھی کر رہے تھے' البتہ شیخ زمان سب کے درمیان موجود ہوتے ہوئے بھی چپ اور گردن جھکائے بیٹھا تھا۔

"شیخ صاحب آپ کیوں چپ ہیں؟ آپ کی بیٹی رخصت ہو رہی ہے کچھ تو بولیے.....؟"

حرا کا شوہر وسیم احمد ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی اپنائیت اور لگاوٹ سے بولا جس پہ شیخ زمان نے اسے محض اک نظر دیکھا' اور چہرہ دوسری سمت پھیر لیا۔

"آپ کی طبیعت خراب ہے تو آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں" وہ انہیں بولنے پہ اکسا رہا تھا۔

"میری طبیعت ٹھیک ہے تم لوگ جو کر رہے ہو' کرتے رہو۔" شیخ زمان نے وسیم احمد کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹک دیا۔

"ارے شیخ صاحب! آپ تو غصہ ہی کر گئے..... حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ آپ غصہ کریں گے تو آپ کی بیٹیوں کی زندگی پہ اثر پڑے گا اور ایک نہیں دو' دو بیٹیوں کی زندگی خراب ہو گی' طلاق کا ٹیکا سجا کر گھر آ گئیں تو کیا جواب دیں گے لوگوں کو؟"

وسیم احمد غصے سے چبا کر بولا تھا اور شیخ زمان ایک بار پھر چپ ہو گئے تھے۔ دلہن بنی مائدہ امین کو تو یہ خبر ہی

نہیں تھی کہ وسیم احمد اس کے لیے فرشتہ ثابت ہوا ہے۔
اس روز جب وہ شیخ زمان کو تھپڑ مار کے بھاگی تھی۔ وسیم احمد بھی وہیں کھڑا یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا۔ شیخ زمان نے مائدہ کے پیچھے بھاگنے کی اور اسے پکڑنے کی کوشش کی تھی لیکن اسے وسیم احمد نے قمیص کے کالر سے پکڑ کے دبوچ لیا تھا۔ وہ ساری صورت حال سمجھ چکا تھا اور اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ مائدہ کو یہ تھپڑ مہنگا بھی پڑ سکتا ہے اسی لیے اس نے شیخ زمان کی شیطانیت کے سامنے اس کی بیٹی کو لا کھڑا کیا' سوتیلی بیٹی کو بچانے کے لیے اس کی سگی بیٹی کی دھمکی دی کہ اگر اس نے دوبارہ مائدہ پہ بری نظر ڈالی یا اسے تنگ کیا' یا حلیمہ بی بی کو کچھ کہا تو وہ حرا کو طلاق دے کر گھر بھیج سکتا ہے اور جب باپ کے کرتوت سامنے آئیں گے تو فرح کے سسرال والے بھی اسے نکال باہر کریں گے اور یہی وجہ تھی کہ اس روز سے لے کر آج تک شیخ زمان خاموشی کی بکل مارے پھر رہا تھا۔ کب افگن کا رشتہ آیا کب رشتہ طے ہوا اور کب شادی کا دن سر پہ آن پہنچا ۔۔۔ اسے اس چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اس نے کسی کام میں مداخلت کی تھی۔ اللہ کا احسان تھا کہ سب کچھ بخیریت انجام پا گیا تھا' جس پہ حلیمہ بی بی اور مائدہ بھی اندر ہی اندر حیران اور بے یقین ہو رہی تھیں مگر ساتھ ساتھ اللہ کا شکر بھی ادا کر رہی تھیں جس نے انہیں سرخرو کر دیا تھا اور وہ باعزت طریقے سے اپنے گھر کو رخصت ہو گئی تھی۔ وسیم احمد کی دھمکی کچھ کم نہیں تھی۔ شیخ زمان اپنی ہوس اور نفس کی آگ میں اپنی بیٹیوں کی زندگی برباد نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے بے بس ہو کر ہاتھ ملتا رہ گیا تھا۔۔۔!

☼ ☼ ☼

وہ مسلسل تین گھنٹوں سے دلہن بنی ایک ہی انداز میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی لیکن وہ اس کے انتظار سے بے خبر اور لاپروا نجانے کہاں گم تھا کہ اپنے بیڈ روم میں آنے کا بھی ہوش نہیں تھا اور مائدہ بھی جیسے تہیہ کیے بیٹھی تھی کہ اس کے دیکھے بنا نہ تو چینج کرے گی اور نہ ہی سوئے گی صبح کے چار بج چکے تھے جب وہ نشے میں غرق بوجھل قدم اٹھاتا ہوا بیڈ روم میں داخل ہوا تھا اور اس کے بے ربط قدموں پہ اس کی دل کی دھڑکنیں بھی بے ربط ہو گئی تھیں۔ اس کے تھکے تھکے اعصاب پہ پنجے جماتی نیند ایکدم سے ہوا ہو گئی تھی۔

وہ جو ذرا سا تکیہ کا سہارا لیے بیٹھی تھی اُسے دیکھ کر فوراً سیدھی ہو بیٹھی۔ افگن افروز بھی سیدھا بیڈ کی سمت آیا اور اپنا موبائل فون جیب سے نکال کے بیڈ پہ اچھالتے ہوئے خود بھی وہیں ڈھیر ہو گیا تھا۔ مائدہ بیڈ کے وسط میں بیٹھی ہوئی تھی اور وہ بیڈ پہ اس کے سامنے آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا۔ اس نے تو مائدہ کو اک نظر دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی' بلکہ آنکھیں بند کیے جیسے وہیں سونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ یہاں آکر صحیح سے سو جائیں۔ میں اٹھ جاتی ہوں۔" مائدہ نے اسے ڈرتے ڈرتے اور دھڑکتے دل سے مخاطب کیا تھا۔

"اٹھنے کی کیا ضرورت ہے۔ بیٹھی رہو' رات ابھی ختم نہیں ہوئی۔" افگن اپنے بالوں میں ہاتھ پھنساتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

"آپ تھکے ہوئے لگ رہے ہیں' سو جائیں۔" مائدہ کو اس کے منہ اور کپڑوں سے اٹھنے والی بو سے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ ڈرنک کر کے آیا ہے۔

"تم تو نہیں تھکیں ناں؟" افگن نے اپنے ہاتھ سے اس کے گال کو تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا اور مائدہ کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔

"افگن! آپ یہ کیا۔۔۔؟"

"مت نام لو میرا۔ برداشت نہیں ہو گا مجھ سے' وہ بھی ۔۔۔ وہ بھی اسی طرح نام لیتی تھی میرا۔ شادی کی پہلی رات بھی اس نے اسی طرح پکارا تھا اپنی ۔۔۔ اپنی محبتوں کے یقین ۔۔۔ جھوٹے یقین دلائے تھے اس نے جھوٹی تھی وہ اور تم بھی جھوٹی ہی ہو' اسی کی طرح دھوکے باز' بے وفا اور مرد کی دولت پہ ایمان ہو نہ ۔۔۔! عورت کو صرف دولت ہی نظر آتی ہے' چاہے وہ افگن

افروز کی ہو یا جمال پیرزادہ کی۔"

افگن نفرت و حقارت سے بول رہا تھا اور مائدہ کا دل وہیں بند ہو گیا' جہاں اس نے اپنی "اس" کا ذکر کیا تھا۔ آج کی رات بھی وہ اسی کا غم منا رہا تھا۔ اسے سامنے بیٹھی سجی سنوری دلہن بنی مائدہ نظر ہی نہیں آ رہی تھی

مائدہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا تھا۔ بے شک اس کی شادی کافی عجیب حالات میں ہوئی تھی لیکن اس سیج پہ آ کر تو اس کے دل کے ارمان بھی وہی ہو گئے تھے' جو باقی عام لڑکیوں کے ہوتے ہیں اور اس کی آمد سے پہلے وہ انہی ارمانوں اور خوابوں کی محفل سجائے بیٹھی تھی۔۔۔۔ لیکن اب۔۔۔!

"آپ کی طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ آرام کریں۔ میں چینج کر کے آتی ہوں۔" مائدہ اپنا دوپٹہ اور لہنگا سنبھالتی ہوئی بیڈ سے اترنے لگی۔

"کچھ نہیں ہوا میری طبیعت کو' میری طبیعت روز ایسی ہی ہوتی ہے۔" افگن نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے روک لیا۔

"مطلب۔۔۔ آپ روز ڈرنک کرتے ہیں؟" مائدہ نے پریشانی سے بے ساختہ کہہ دیا تھا۔

"روز نہیں' بس جب اسے دیکھتا ہوں۔" وہ استہزائیہ ہنسا تھا۔

"تو آج کہاں دیکھ لیا اسے۔۔۔؟" حیرت تھی مائدہ سوال پہ سوال کر رہی تھی۔

"تمہارے اس روپ میں' اس کمرے میں' اس بیڈ پہ' ہر جگہ وہی تو نظر آ رہی ہے۔ دھوکے باز' جھوٹی اور مکار عورت۔۔۔ دل چاہ رہا ہے' اس بیڈ اور کمرے سمیت تمہیں بھی آگ لگا دوں' تم سراپا وہی ہو۔"

افگن افروز نے اسے بالوں سے دبوچ لیا تھا اور مائدہ اپنے لبوں سے ابھرنے والی ہلکی سی آواز بھی دبا گئی تھی۔

"اگر آپ کے سینے میں جلنے والی آگ اسی طرح بجھتی ہے تو جلا لیں' ماریں مجھے' ٹھنڈا کریں اپنے آپ کو۔" مائدہ نے اسے کھلی چھوٹ دی اور افگن افروز نے اس چھوٹ کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اسے اپنی درندگی اور وحشت کا نشانہ بنا کر وہ زیادہ تو نہیں لیکن چند لمحوں کے لیے پرسکون ہو گیا تھا۔۔۔!

☆ ☆ ☆

"السلام علیکم دادی بی!" مائدہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سیدھی ان کے کمرے میں آئی تھی۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہو' سہاگن رہو' اتنی جلدی کیوں اٹھ گئیں؟" وہ اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر ماتھے پہ بوسہ دیتے ہوئے بولی تھیں۔

"نماز کے لیے اٹھی ہوں اور مجھے پتا تھا آپ کی نماز اکثر قضا ہو جاتی ہے اس لیے سوچا آپ کو بھی وضو کروا دوں۔" مائدہ کا لہجہ پرسکون تھا۔ بے شک افگن افروز نے رات بھر اسے اذیت دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن پھر بھی آج زندگی کی نئی صبح کا آغاز کرتے ہوئے وہ مطمئن تھی وہ آزادی کی سانس لے رہی تھی۔ وہ عزت سے سر اٹھا کے چل رہی تھی۔ آج اس پہ کسی نے حق جتایا تھا تو وہ کوئی غیر اور نامحرم نہیں تھا۔ اس کا اپنا شوہر تھا۔

"عشال۔۔۔! عشال۔۔۔! میرا ناشتا؟" افگن آفس جانے کے لیے تیار ہو کر نیچے آ چکا تھا اور عشال کو آوازیں دے رہا تھا مگر ہمیشہ کی طرح وہ سن ہی نہیں رہی تھی۔ اسی لیے اسے خود کچن میں جھانکنا پڑا لیکن وہاں موجود ہستی کو دیکھ کر اس کے الفاظ جامد ہو گئے تھے۔

"آپ بیٹھیں۔ میں ناشتا لے کر آ رہی ہوں۔" وہ پراٹھے بنانے کے بعد سلائس سینک رہی تھی۔ ٹوسٹر بند کرتے ہوئے افگن کی سمت پلٹی تھی۔

"علیشاں کہاں ہے۔۔۔؟" افگن نے بات بدل دی۔

"دادی بی کو لینے گئی ہے' وہ بھی ہمارے ساتھ ہی ناشتا کریں گی۔" مائدہ ٹرے اٹھا کر باہر جانے کے لیے آگے بڑھی لیکن دروازہ میں ایستادہ افگن کو دیکھ کر ٹھہرنا پڑا۔

"راستہ دیں پلیز۔" مائدہ نے اسے مخاطب کیا تو وہ

یکدم چونک کر سامنے سے ہٹ گیا۔ اتنے میں عشال بھی دادی بی کی وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی ڈائننگ روم میں لے آئی تھی۔

"گڈمارننگ۔۔۔!" افلن نے آہستگی سے کہا۔

"خوش رہو بیٹا!" دادی بی جواباً" خوش دلی سے بولی تھیں۔

"اتنے تیار شیار ہو کر کہاں جا رہے ہو۔۔۔؟" دادی بی نے اسے نک سک سے تیار دیکھ کر فوراً" پوچھا تھا۔

"آفس۔۔۔" اس کا مختصر سا جواب موصول ہوا۔

"آفس۔۔۔ کیا آج بھی آفس ضروری ہے؟" وہ حیران ہوئیں۔

"کیوں' آج کیا ہے۔۔۔؟" افلن افروز نے یوں حیرانی ظاہر کی کہ دادی بی چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکی تھیں۔

"یہ چائے لے لیں دادی بی!" مائدہ نے ان لوگوں کی خاموشی ختم کرنے کے لیے دادی بی کو مخاطب کیا تھا۔

"ہوں۔۔۔!" انہوں نے محض ہوں پہ اکتفا کیا اور تھوڑی دیر بعد افلن ناشتا ختم کرتے ہی اٹھ کر چلا گیا تھا دادی بی نے اسے گاڑی تک پیچھے بھیجا تھا لیکن وہ گاڑی نکال لے گیا تھا اور مائدہ ست قدموں سے واپس پلٹ آئی تھی۔

"مائدہ۔۔۔!"

"جی دادی جی۔۔۔؟"

"ادھر آؤ میری بات سنو۔" انہوں نے اسے اپنے قریب بلایا تھا۔

"رات کو افلن نے تمہیں کچھ کہا تو نہیں؟" وہ اسے کھوج رہی تھیں۔

"کہا ہے۔ کہتے ہیں مجھے افلن مت کہا کرو' کیونکہ وہ بھی افلن ہی کہتی تھی۔" مائدہ نے استہزائیہ انداز میں مسکرا کے کہا۔

"وہ بھی۔۔۔؟" دادی بی الجھیں۔

"جی ہاں! آپ بھی تو اسے اچھی طرح جانتی ہیں۔" مائدہ نے ان کے چہرے کی سمت دیکھتے ہوئے کہا اور پھر نظر جھکا کر اپنے ہاتھوں کے ناخنوں سے کھیلنے لگی۔

"ہاں جانتی ہوں۔ اچھی طرح جانتی ہوں اور جتنا میں اسے جانتی ہوں یہ بے وقوف نہیں جانتا' اگر جان لیتا تو اپنی زندگی کو اس طرح روگ لگا کے نہ پھر رہا ہوتا۔ وہ منحوس' کم بخت خود تو چلی گئی لیکن اپنے پیچھے اس کے لیے روگ چھوڑ گئی۔"

دادی بی کا خون کھول رہا تھا۔ چار سال ہو گئے تھے لیکن افلن افروز ان چار سالوں میں ذرا بھی آگے نہیں بڑھا تھا وہیں پہ کھڑا آج تک اس کا غم منا رہا ہے' جہاں وہ اسے چھوڑ کے گئی تھی۔

"کیا اس روگ کا کوئی علاج نہیں ہے دادی بی!" مائدہ نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"ہے ناں علاج' اس دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ جس کا حل نہ ہو' جس کا علاج نہ ہو۔" وہ ذرا سا مسکرائیں۔

"کیا۔۔۔؟"

"تم۔۔۔ اس مرض کا علاج تم ہو' صرف تم۔ تمہیں حوصلے' صبر اور برداشت سے کام لیتے ہوئے اسے اس عورت کے سحر سے نکالنا ہے۔ اسے اپنی طرف مائل کرنا ہے۔ ایک ایسی بیوی بن کے رہنا ہے جیسی وہ چاہتا تھا لیکن وہ نہیں بن سکی' اس لیے اب تمہیں اس کی خواہش پوری کرنی ہے اور مجھے پتا ہے کہ تم میں اچھی بیویوں والے سارے گن موجود ہیں۔" دادی بی اسے تسلی دے رہی تھیں۔

"لیکن دادی بی وہ کہہ رہے تھے کہ وہ بہت زیادہ خوب صورت تھی۔ میں تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں۔"

"ارے پاگل۔۔۔! خوب صورت تو لیلیٰ بھی نہیں تھی' پھر بھی قیس مجنوں ہو کے رہ گیا تھا۔ تمہیں کس نے کہا کہ تم خوب صورت نہیں ہو۔۔۔ جتنی پیاری اور پرکشش تم ہو اتنی تو وہ بھی نہیں لگتی تھی۔"

انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے تھپکتے ہوئے کہا تھا اور اس کی ہمت بندھائی تھی اور پھر دو ماہ اس

کے صبر و برداشت میں ہی گزر گئے۔ افلن افروز نے سفاکی اور سرد مہری کی حد کر ڈالی تھی۔ وہ ہر وہ کام کرتا تھا' جس سے مائدہ کو اذیت ہوتی لیکن وہ پھر بھی برداشت کر جاتی تھی' سب سہہ جاتی تھی لیکن آج افلن افروز کا بدلا ہوا رویہ اسے حیران کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

جب میرج ہال کے سامنے اس نے گاڑی کو بریک لگائے تو مائدہ نے ٹھٹک کر افلن کی سمت دیکھا مگر وہ اس کی طرف دیکھے بغیر گاڑی سے اتر گیا تھا۔ مجبوراً" سر جھٹک کر مائدہ کو بھی اترنا پڑا۔ وہ پچھلی سیٹ سے گفٹ اٹھا کے گاڑی لاک کرتا ہوا ایک طرف آکھڑا ہوا تھا اور مائدہ اپنے چکراتے دماغ کو سنبھالتی ہوئی بمشکل اس کے قریب آئی تھی۔

"افلن......!" اس نے آگے بڑھتے افلن کو بے ساختہ پکارا تھا اور اس کے قدم تھم گئے تھے۔

"ہوں......؟"

"مم...... مجھے چکر آرہے ہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹشو سے اپنی پیشانی پہ آیا پسینہ پونچھا۔ اچانک گاڑی سے اترتے ہی اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔

"اندر چلو میں ویٹر سے پانی منگواتا ہوں۔"

افلن پارکنگ میں نصب روشنیوں میں اس کے چہرے کی حالت نوٹ کر چکا تھا' اسی لیے کچھ سخت کہنے سے پرہیز کیا تھا۔

"لیکن افلن! میرا پورا جسم کانپ رہا ہے۔" مائدہ کی تو جیسے ٹانگوں میں جان ہی نہیں رہی تھی اور اوپر سے اس نے ہیل پہن رکھی تھی جس کی وجہ سے چلنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ افلن نے بے اختیار آگے بڑھ کے اسے اپنے بازو میں تھام لیا تھا۔

"مائدہ! تم ٹھیک تو ہو......؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟" افلن پریشان ہونے لگا۔

"مجھے پانی پلا دیں پلیز......" مائدہ پوری کی پوری اس کے سہارے پہ کھڑی تھی یوں جیسے بے جان ہو چکی ہو۔

"چلو اندر......" افلن اسے سہارا دیے اندر کی طرف بڑھا۔ حسام انہیں دور سے ہی دیکھ کر لپک کے پاس آیا۔

"افلن! خیریت بھابھی کو کیا ہوا ہے......؟" وہ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں بس راستے میں ہی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔" افلن نے ہاتھ میں پکڑا گفٹ حسام کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"تم انہیں اندر لے آؤ۔ میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔"

اور پھر افلن اور حسام اسے میرج ہال کے میک اپ روم میں لے آئے۔ حسام کی امی بھی وہیں آگئی تھیں۔ ڈاکٹر اس میرج ہال میں ہی دستیاب ہو گیا تھا۔

"یہ شادی شدہ ہیں......؟" ڈاکٹر نے حسام کی امی کو دیکھا۔

"جی! یہ اس کے ہزبینڈ ہیں۔" انہوں نے سیاہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس افلن افروز کی سمت اشارہ کیا۔

"تو پھر مبارک ہو آپ کو' آپ پاپا بننے والے ہیں۔" ڈاکٹر صاحب مائدہ کی نبض اور بلڈ پریشر چیک کرنے کے بعد کھڑے ہو گئے تھے اور افلن کو مبارک باد سے نوازا تھا۔

لیکن افلن تو جیسے گم صم سا ہو گیا تھا جبکہ حسام نے خوشی سے بھرپور نعرہ لگایا تھا۔

"اوئے مبارکاں یار مبارکاں! میں چاچا بننے والا ہوں...... آج تو ڈبل ڈبل خوشیاں منائی جائیں گی۔"

حسام افلن کے گلے لگ گیا تھا۔ اس کی امی مائدہ کو مبارک دے رہی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کے دیے ہوئے انجکشن اور پانی پینے کے بعد مائدہ کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی اس کا بی پی لو ہو گیا تھا' اسی وجہ سے اس کا جسم اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں لیکن اب طبیعت کافی بہتر ہو چکی تھی......

"حسام! تم باہر آؤ مہمان آرہے ہیں اور تمہارے ڈیڈی بھی تمہارا ہی پوچھ رہے ہیں۔" حسام کی امی

اسے اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گئیں اور حسام اس کا کندھا تھپک کے ان کے پیچھے ہی نکل گیا۔

مائدہ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور افگن کی نظریں اس پہ جمی ہوئی تھیں۔ اتنی بڑی خوشخبری سننے کے بعد بھی عجیب سی صورت حال تھی۔ وہ دونوں ہی خاموش سے ہوگئے تھے۔

"اٹھو ہم بھی نیچے چلیں ....." افگن نے گہری سانس کھینچتے ہوئے سر جھٹکا اور قدم باہر کی سمت بڑھادیے۔

"افگن .....!" مائدہ نے ایک بار پھر اسے پکارا۔ اس کے قدم ٹھہر گئے۔

"آپ خوش نہیں ہیں ناں.....؟" مائدہ کے سوال پہ افگن نے گردن موڑ کے اسے دیکھا' وہ ابھی تک نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

"مجھے ابھی خوشی اور ناخوشی کا کوئی احساس نہیں ہوا جب ہوگا تمہیں بتادوں گا۔" اس نے دوٹوک کہتے ہوئے بات ہی ختم کرڈالی تھی اور مائدہ ایک بار پھر برداشت کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اسے سیڑھیاں اتر کرنیچے آنے میں افگن کے سہارے کی ضرورت تھی اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اتر رہا تھا۔ دونوں نے بلیک سوٹ پہن رکھے تھے حسام کے اشارے پہ کئی کیمرے الرٹ ہوگئے تھے اور کئی فلیش ایک ساتھ چمکے تھے۔ ان کا یہ خوب صورت اور محبوبانہ سا انداز کیمروں کی آنکھوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگیا تھا۔ کیمروں کے فلیش کے دوران ہی عالیہ پیرزادہ نے بھی یکدم گردن موڑ کے سیڑھیوں کی سمت دیکھا تھا اور افگن افروز کے ہمراہ سیڑھیاں اترتی لڑکی کو دیکھتی رہ گئی تھی۔ ان دونوں کی جوڑی بلا کی خوب صورت لگ رہی تھی وہ جو کوئی بھی تھی' افگن افروز کے ساتھ خوب جچ رہی تھی۔ بہت سے لوگوں نے بے ساختہ سراہا تھا انہیں.....

"ارے عالیہ! افگن افروز کی وائف کو دیکھا تم نے؟ یار! کتنی چارمنگ ہے وہ..... دونوں کی جوڑی کمال کی ہے یار!"

عالیہ کے ساتھ کھڑی شہرینہ نے برملا تعریف کی تھی اور ایک پل کے لیے تو عالیہ کے دل میں بھی حسد کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"مجھ سے زیادہ خوب صورت ہے کیا.....؟" عالیہ نے اترا کے کہا۔

"تم سے زیادہ خوب صورت ہے یا نہیں لیکن اس وقت محفل کی جان لگ رہی ہے دیکھو' کئی لوگوں کی نظریں اسی پہ ٹکی ہوئی ہیں۔" شہرینہ نے کوئی بھی لگی لپٹی رکھے بغیر مائدہ کو سراہا تھا۔

"اس نے شادی کب کی.....؟" عالیہ کہے بغیر نہیں رہ سکی تھی اور پاس سے گزرتے حسام نے اس کی بات سن لی تھی' اسی لیے ٹھہر گیا تھا۔

"ارے مسز پیرزادہ! آپ کو افگن کی شادی کا نہیں پتا..... اس کی شادی کو تو تین ماہ ہونے کو آئے ہیں اور اب تو وہ بابا بننے والا ہے' بہت لکی ثابت ہوئی ہیں مائدہ بھابھی۔ افگن کی زندگی میں خوشیاں لے کر آئی ہیں بہت خوش ہیں دونوں۔" حسام نے لگے ہاتھوں سب کچھ بتادیا تاکہ اسے جلا سکے کہ اس کے بغیر بھی افگن افروز خوش باش زندگی گزار رہا ہے۔

"کل تو مسٹر افگن کی کوئی خوشی نظر نہیں آرہی تھی؟" عالیہ نے تیکھے انداز سے کہا۔

"ہوں! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں دراصل کل مائدہ بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' اس لیے وہ پریشان تھا اور اسی لیے جلدی چلا گیا تھا۔ وہ بھی اسی وجہ سے کل شادی کے فنکشن میں نہیں آسکی تھیں۔" حسام اطمینان اور سکون سے جھوٹ پہ جھوٹ بولے جا رہا تھا۔

"اوہ! تو یہ بات تھی.....؟" عالیہ نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔

"تو آپ کیا سمجھی تھیں.....؟" حسام اسے زچ کر رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا' عالیہ کو اٹھا کر کہیں جنگل میں پھینک آئے۔ اس نے اس کے دوست کی زندگی برباد کرکے رکھ دی تھی۔

"کچھ نہیں....." اس نے نخوت سے سر جھٹک دیا

تھا۔
"اوکے ' ایکسکیوزمی...!" حسام وہاں سے ہٹ گیا تھا اور پھر اس نے اپنی اور عالیہ کی باتوں کی ریکارڈنگ جو اس نے اپنے موبائل فون سے کی تھی ' وہ جا کر افگن افروز کو سنا دی۔ افگن کے دل کو نجانے کیوں سکون پہنچا تھا اور چہرے پہ خوشی کا احساس بکھر گیا تھا۔ عالیہ کو اس کی بیوی سے حسد محسوس ہوا تھا اور یہی تو وہ کرنا چاہتا تھا...
"اب بولو...؟" حسام اسے فتح مندی سے دیکھ رہا تھا۔
"گریٹ یار! تم بہت چالاک اور سمجھ دار ہو..." افگن نے اسے تھپکی دی۔
"اسی لیے تو تمہیں مشورہ دے رہا ہوں کہ مائدہ بھابھی کے ساتھ رہو ' ان کا خیال رکھو ' اسی میں تمہاری عزت اور بھلائی ہے۔" حسام اسے مشورہ دے کر خود اسٹیج کی سمت آگیا جہاں اس کی اپنی دلہن براجمان تھی۔
"ہائے...!" عالیہ اور شہرینہ مائدہ کے قریب آکر ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولیں۔
"السلام علیکم..." مائدہ نے ٹھٹک کر ان دونوں کو دیکھا۔ دونوں نے ساڑھیاں پہن رکھی تھیں کمر اور بازو برہنہ تھے ریشمی سلکی ساڑھیوں کے ڈھلکتے ہوئے پلو انہیں پلیٹ میں سجی ہوئی دعوت کا سا روپ دے رہے تھے وہ اس محفل میں موجود تمام مردوں کے لیے راحت بنی ہوئی تھیں۔
"آپ کون...؟" مائدہ نے حیرانی کے باعث پوچھ ہی لیا تھا کیونکہ اس فنکشن میں موجود تمام لوگ اس کے لیے اجنبی تھے سوائے حسام کی فیملی کے۔
"کیا افگن نے کبھی میرا ذکر نہیں کیا آپ سے؟" عالیہ کے انداز پہ مائدہ بری طرح چونک گئی تھی... اور وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں پہچان گئی کہ وہ عالیہ ہے لیکن مائدہ بے وقوف نہیں تھی جو اس خبیث عورت کو خوشی کا موقع فراہم کرتی یا پھر اسے شہ دیتی 'اس لیے اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

"آئی ایم سوری! میں یہاں پہلی بار آئی ہوں ' مجھے نہیں پتا آپ کون ہیں ' آپ اپنا تعارف خود کروا دیں۔"
"میں افگن افروز کی ایکس وائف ہوں عالیہ پیرزادہ...!" اس نے جیسے فخریہ انداز میں تعارف کروایا تھا۔
"اوہ اچھا! تو آپ ہیں عالیہ۔" مائدہ نے ذرا سا مسکرا کے اس سے ہاتھ ملایا تھا۔
"جی یہی ہے عالیہ! افگن افروز جیسے ہیرے کی قیمت نہ پہچاننے والی۔" شہرینہ طنزیہ بولی تھی اور عالیہ نے اسے گھور کے دیکھا۔
"ایکسکیوزمی! یہاں کیا ہو رہا ہے...؟" افگن افروز عالیہ کو مائدہ کی ٹیبل کے قریب کھڑے دیکھ کر فوراً" پاس چلا آیا۔
"آپ کی وائف کے ساتھ دعا سلام اور تعارف ہو رہا ہے۔" شہرینہ نے جواب دیا۔
"اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں کافی ہے۔"
افگن افروز ان چار سالوں میں پہلی مرتبہ عالیہ کے سامنے روبرو آکھڑا ہوا تھا ورنہ وہ جہاں بھی اسے دیکھتا تھا محفل چھوڑ جاتا تھا۔
"ہوں یہ تو آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔" شہرینہ نے سرہلایا تھا۔
"آؤ مائدہ! حسام اسٹیج پہ بلا رہا ہے تصویریں بنوانے کے لیے۔" افگن نے اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے کہا اور ان دونوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اسٹیج کی سمت بڑھ گیا۔ عالیہ کے ساتھ ساتھ مائدہ بھی دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس نے افگن کے ایسے روپ کہاں دیکھے تھے بھلا...؟ اس نے تو آج تک مائدہ پہ ستم ہی ڈھائے تھے۔ ایسی کرم نوازیوں اور عنایتوں سے تو وہ انجان ہی تھی اسی لیے اپنے ساتھ چلتے افگن کو حیرانی اور حسرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے احتیاط سے صوفے پہ بٹھا کر خود بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا ' عالیہ دور کھڑی دیکھ رہی تھی...!

☼ ☼ ☼

"آج تو آپ بہت خوش ہوں گے ...؟" رات گئے جب مائدہ لباس چینج کر کے بستر پہ آئی تو افگن تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا ابھی تک جاگ رہا تھا اور مائدہ جو دل میں تھا' کہے بغیر رہ نہ سکی تھی۔

"کس لحاظ سے کہہ رہی ہو...؟" افگن نے اس کی طرف کروٹ بدلتے ہوئے کہا اور نظریں اس کے چہرے پہ جما دیں۔ مائدہ بھی اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"جس وجہ سے آپ مجھے فنکشن میں لے کر گئے تھے۔" مائدہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے برملا کہا اور افگن اس کی بات سن کر بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ بہت ذہین اور سمجھ دار ہو تم۔"

"اگر آپ نے کسی کو جلا کر خوش ہونا تھا تو بہت پہلے ہو جاتے۔"

مائدہ کی بات پہ افگن نے لب بھینچ لیے تھے۔

"کیا بات ہے آپ چپ کیوں ہو گئے؟"

"کچھ نہیں' سو جاؤ۔" وہ کہہ کر کروٹ بدل گیا اور مائدہ اس کی چوڑی پشت کو گھورنے لگی لیکن دل ہی دل میں قدرے خوش ہو رہی تھی کہ آج اس نے ڈرنک نہیں کی تھی حالانکہ وہ جب بھی عالیہ کو کہیں دیکھتا تھا اس روز ڈرنک کر کر کے اپنا برا حال کر لیتا تھا لیکن آج ...!

آج اگر افگن خوش ہوا تھا تو مائدہ بھی خوش ہو رہی تھی' اسے امید ہو چلی تھی کہ وہ بدل جائے گا' وہ بہتری کی طرف لوٹ آئے گا اور یہی احساس اس کی سکون بھری نیند کا باعث بن گیا تھا...!

☼ ☼ ☼

وہ ابھی آفس میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اچانک حسام کی کال آ گئی۔

"آج کا اخبار پڑھا تم نے...؟"

"نہیں! ابھی تو آیا ہوں..."

"اوکے! تم اخبار پڑھو میں تمہیں پھر فون کرتا ہوں۔"

حسام نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور افگن الجھ کے رہ گیا' پھر اپنی سیکرٹری کو اخبار بھیجنے کا کہا چند سیکنڈ بعد اخبار اس کے سامنے تھا۔ عالیہ کی طلاق کا پڑھ کے وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔ جمال پیرزادہ نے اسے طلاق دے دی تھی کیونکہ جمال پیرزادہ کے دل پر کوئی اور لڑکی چڑھ گئی تھی۔ عالیہ نے احتجاج کیا اور جمال پیرزادہ نے اسے طلاق دے کر فارغ کر دیا۔

افگن اخبار ٹیبل پہ رکھ کے چپ چاپ بیٹھ گیا تھا اس کے دل و دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے اسے حیرت ہو رہی تھی کہ ایک غریب سے گھر میں رہنے والی عالیہ دولت کے لالچ میں کہاں جا پہنچی تھی۔ پہلے اس نے افگن افروز سے محبت کی پینگیں بڑھائیں۔ اسے شادی سے پہلے ترقی کی طرف راغب کیا اور وہ تو تھا ہی اس کا دیوانہ' اس کی خاطر دولت کمانے کے لیے اپنی دادی بی کو چھوڑ کے امریکا چلا گیا۔ واپس آیا تو کافی حد تک کامیاب ہو چکا تھا اور عالیہ سے شادی کرنے کے بعد تو وہ جیسے خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھنے لگا تھا لیکن پھر' عالیہ کو اس سے بھی زیادہ کامیاب آدمی مل گیا تھا۔

بیورو کریٹ جمال پیرزادہ اس کی خوب صورتی پہ فدا تھا اور عالیہ اس کی بے تحاشا دولت پہ... اسی لیے عالیہ نے اسے چھوڑ کے جمال پیرزادہ کو ترجیح دی تھی۔

افگن نے اس عورت کی بے وفائی اور چالبازی کو اپنی ذات پہ طاری کر لیا تھا۔ اس نے چار سالوں میں اتنا کمایا تھا کہ اب وہ جمال پیرزادہ سے کہیں آگے تھا عالیہ بھی یہ بات جانتی تھی لیکن اب واپس پلٹنے کا کوئی راستہ نہیں تھا کیونکہ وہ اب اس سے نفرت کرتا تھا' بلکہ اس سے ہی نہیں تمام عورتوں سے نفرت کرتا تھا ... اور اسی نفرت نے اسے آج تک مائدہ کے قریب نہیں ہونے دیا تھا۔ ایک عورت کا بویا ہوا بیج دوسری عورت کاٹ رہی تھی۔

وہ یکدم کرسی دھکیل کے اٹھا اور اپنا موبائل، چابیاں وغیرہ اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گیا اس کا رخ اپنے گھر کی جانب تھا وہ بہت رش ڈرائیو کرتا ہوا گھر پہنچا تھا۔

دادی بی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی مائدہ انہیں ناشتا کروا کے کچھ دیر سونے کا کہہ کے خود عشاں کے ساتھ مل کر صفائی کرنے لگی تھی، حالانکہ ایسے کام کرتے ہوئے اسے کافی چکر اور ابکائیاں آتی تھیں لیکن پھر بھی وہ کام میں لگی رہتی۔ اس وقت بھی اسے بہت زور کی قے آئی تھی اور وہ اپنے بیڈ روم کی طرف بھاگی تھی۔ عشاں اسے دیکھ کر مسکرا دی۔ اسے بھی پتا تھا کہ گھر میں ایک رونق آنے والی ہے۔ دادی بی کے ساتھ ساتھ عشاں بھی بہت خوش تھی لیکن وہ خوش نہیں تھا جس کی وجہ سے یہ رونق آ رہی تھی۔

"مائدہ کہاں ہے؟" اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی استفسار کیا تھا۔

"وہ تو اوپر اپنے کمرے میں ہیں صاحب جی!" عشاں نے چونک کر جواب دیا تھا۔

"ہوں.....!" وہ سر ہلا کے لمبے لمبے ڈگ بھرتا سیڑھیاں چڑھ کے اوپر بیڈ روم میں چلا گیا تھا۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سے اس کے ابکائیاں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔

وہ کمرے میں ٹہلتے ہوئے اس کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے انداز میں اضطراب تھا۔ وہ دائیں بائیں ٹہلتے ہوئے کافی مضطرب اور مشتعل لگ رہا تھا۔ مائدہ تھکی تھکی نڈھال سی باتھ روم سے باہر نکلی تھی تو افلن کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

"آپ کب آئے.....؟" وہ تولیے سے چہرہ پونچھ کر وہیں بیڈ پہ بیٹھ گئی۔ نقاہت کی وجہ سے اس کا پورا جسم لرز رہا تھا وہ بغیر دوپٹے کے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ایسی نڈھال ہو رہی تھی کہ دوپٹے کا بھی ہوش نہیں تھا۔

"میں تم سے کچھ کہنے آیا ہوں۔" افلن کا لب و لہجہ پہلے کی طرح سرد اور اجنبی ہو رہا تھا۔

"مجھ سے.....؟" مائدہ نے چونک کر دیکھا تھا۔

"دیکھو! اگر تم اس گھر میں رہنا چاہتی ہو تو تمہیں میری بات ماننی ہوگی، ورنہ تمہاری اس گھر میں کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔" افلن نے بات شروع کرنے سے پہلے ہی صورت حال سنگین کر ڈالی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ.....؟" مائدہ اس کی بات پہ پریشان ہو اٹھی۔

"میرے ساتھ ہسپتال چلو....." وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا تھا۔

"کیوں؟"

"میں بچہ نہیں چاہتا۔"

افلن کی بات پہ جیسے گھر کی چھت مائدہ کے سر پہ آن گری تھی۔ وہ ساکت و صامت سی دم بخود رہ گئی تھی۔

"افلن آپ..... آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟" وہ کہتے ہوئے رو پڑی تھی۔

"کیونکہ تم سب عورتیں ایک جیسی ہوتی ہو۔ اس نے بھی مجھ سے دولت کے لیے شادی کی۔ تم نے بھی میری دولت اور میرا گھر دیکھ کے شادی کی۔ اسے بھی کوئی اور مل گیا، تمہیں بھی کوئی اور مل جائے گا۔"

"شٹ اپ افلن..... جسٹ شٹ اپ! کس نے کہا آپ سے کہ ساری عورتیں ایک جیسی ہوتی ہیں؟ اگر ساری عورتیں ایک جیسی ہوتی ہیں تو سارے مرد بھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ذلیل، کمینے، گھٹیا، ہوس زدہ اور نفس پرست۔"

"بکواس بند کرو اپنی....." افلن نے اسے ایک زناٹے دار تھپڑ دے مارا تھا۔

"یہ بکواس آپ کو سننی پڑے گی۔ میں نے آپ سے شادی آپ کی دولت اور گھر دیکھ کر نہیں کی تھی بلکہ ایک مضبوط چھت دیکھ کر کی تھی۔ ایسی چھت جو مجھے چھپا سکتی، جو مجھے پناہ دے سکتی کیونکہ میں ایک مرد کی ستائی ہوئی تھی اور مرد بھی وہ، جو میرا سوتیلا باپ ہونے کا اعزاز رکھتا تھا..... مجھے کیا پتا تھا کہ میں ایک مرد سے چھپ کے دوسرے کے پاس پناہ لے رہی ہوں تو وہ بھی کچھ کم اذیت نہیں دے گا مجھے۔ وہ بھی مجھے

عورت ہونے کی سزا دے گا۔۔۔ طعنے دے گا' گھر سے نکالے گا' میرے سر سے چھت چھین لے گا۔۔۔ مجھے پتا ہوتا تو میں کسی مرد کے پاس پناہ لینے کے بجائے خودکشی کرلیتی۔"

مائدہ کہتے ہوئے زاروقطار رو رہی تھی اور افگن ششدر سا اسے دیکھ رہا تھا۔ سوتیلا باپ۔۔۔؟ اس کے ذہن میں بس ایک ہی نام گردش کررہا تھا۔

"ہاں! میرا سوتیلا باپ' آپ جیسا ایک اور مرد' مجھ پہ بری نظر رکھنے والا گھر میں ہی میرے لیے تاک لگائے بیٹھا رہتا تھا' اسی سے بچنے کے لیے میں نے نوکری کی' اسی لیے میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرے لیے کام ضروری ہے' تنخواہ نہیں۔ آپ مجھے بے شک تنخواہ نہ دیں' میں پھر بھی کام کرلوں گی' کیونکہ میں اس خبیث آدمی کی نظروں سے اوجھل رہنا چاہتی تھی۔ اسی لیے میرا گھر واپس جانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ میں دانستہ لیٹ ہونے کی کوششیں کرتی تھی تاکہ میرا اس سے سامنا نہ ہو اور اسی لیے میں نے سوچا کہ میری شادی ہوجائے۔ میرا خیال تھا کہ سارے مرد ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ایک مرد کے کیے کا الزام میں دوسرے مرد کو کیوں دوں۔۔۔؟ دوسرا اچھا بھی تو ہو سکتا ہے اور اسی اچھے کے بھروسے پہ میں نے آپ پہ اعتبار کرلیا' میں نے تو آج تک آپ سے یہ نہیں کہا کہ سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔۔۔؟ ایک سے بھاگ کے دوسرے کے پاس پناہ لی ہے تو وہ بھی مجھ پہ ستم ہی کررہا ہے۔۔۔؟ میں تو صبر اور شکر سے آپ کے سارے ستم سہہ رہی ہوں' تو پھر۔۔۔ تو پھر آپ کیوں الزام دیتے ہیں کہ ساری عورتیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔۔۔؟

اور رہا میرا اور عالیہ کا فرق تو یہ فرق آپ سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا۔۔۔ اسے در' در پھرنے کی عادت ہوگی' لیکن مجھے ایک ہی گھر اور ایک ہی چھت تلے رہنے کی لگن ہے۔ آپ کے سوا کسی اور کا مجھے دیکھنا بھی گوارا نہیں۔۔۔ اور ہاں' اس بچے کی آپ کی نظر میں کوئی اہمیت نہ سہی' لیکن میرے لیے یہ بہت اہم ہے۔ ایک یہی تو میرا اپنا ہوگا' آپ مجھے گھر سے نکالیں

گے تو نکل جاؤں گی' کیونکہ میرا.... میرا.... اور کوئی نہیں ہے اس کے سوا.... نہ میری ماں میری ہے' اور نہ آپ میرے ہیں' آپ تو صرف عالیہ کے روگی ہیں' صرف یہ میرا ہے.... اس کی خاطر چھوڑ دوں گی آپ کا گھر بھی اور آپ کو بھی....''

وہ روتی بلکتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی اور افلن افروز دم بخود سا کھڑا تھا....!

☼ ☼ ☼

دروازے پہ خاصی زوردار قسم کی دستک ہوئی تھی اور دادی بی جان گئیں کہ دروازے پہ کون ہے....؟ اسی لیے انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے تسبیح پڑھتی رہیں.... وہ بھی جانتا تھا کہ اندر سے کوئی جواب موصول نہیں ہوگا اسی لیے دروازہ دھکیل کر خود ہی اندر آ گیا تھا۔

''السلام علیکم دادی بی!''

''وعلیکم السلام....!'' انہوں نے جیسے نہ چاہتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں....؟'' وہ ان کے بیڈ کے قریب رکھی کرسی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں.... تمہاری اس کمرے میں کوئی گنجائش نہیں ہے' چلے جاؤ یہاں سے۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔

''دادی بی پلیز! میری پوری بات تو سن لیں۔'' افلن نے لجاجت سے کہا۔

''مجھے کچھ نہیں سننا' میں اتنے سالوں سے سنتی ہی تو آ رہی ہوں۔''

''دادی بی! ایم سوری' ایم ریئلی سوری! پلیز دادی بی! میں شرمندہ ہوں اپنی سوچ پہ....''

افلن ان کے بیڈ پہ ان کے قریب ہی سر جھکائے بیٹھ گیا۔

''تم نے کبھی اچھا سوچا ہوتا تو تمہیں یوں شرمندہ نہ ہونا پڑتا اور تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ مائدہ بھی عالیہ جیسی ہی ہے' تم شاید یہ بھول گئے تھے کہ وہ تمہاری پسند تھی اور مائدہ میری پسند ہے' وہ عالیہ جیسی ہوتی تو اپنی عزت بچانے کے لیے یوں پناہ نہ ڈھونڈ رہی ہوتی۔''

دادی بی کو افلن پہ غصہ آ رہا تھا۔ وہ خوب دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں۔

''جی! میں یہ فرق اچھی طرح جان گیا ہوں اسی لیے مائدہ کو لینے کے لیے آیا ہوں۔'' اس نے بالآخر اس حقیقت کو تسلیم کر ہی لیا تھا۔

''تم اب جو بھی کہہ لو وہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گی....'' دادی بی نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔

''دادی بی پلیز! آپ کو تو کم از کم میرا کچھ خیال کرنا چاہیے۔ ایک مدت کے بعد مجھے اپنی بیوی اچھی لگ رہی ہے تو آپ کیوں اسے مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہیں؟'' وہ جھنجلا کے بولا تھا۔

''کیونکہ مجھے تم پہ اعتبار نہیں رہا' تم اپنے بچے کو کوئی بھی نقصان پہنچا سکتے ہو....''

دادی بی کی بے اعتباری پہ افلن یکدم قہقہہ لگا کے ہنسا تھا اور ساتھ ہی دادی بی کے گلے میں دونوں بازو ڈالتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''کون کافر اپنے بچے کو نقصان پہنچا رہا ہے؟ وہ تو محض غصہ تھا' آپ کو نہیں پتا مجھے بچے کتنے پسند ہیں؟''

وہ خوش ہو کر کہہ رہا تھا اور دادی بی اپنے پوتے کے چہرے پہ سچی خوشی کے رنگ دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھیں۔

''یہ لیٹی ہوئی ہے مائدہ' لے جاؤ اسے' اجازت ہے میری....'' دادی بی نے اپنے بیڈ کی دوسری سائیڈ پہ اشارہ کیا تھا' جہاں مائدہ کافی دیر سے کمبل میں دبکی ہوئی نیند کا بہانہ کیے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''یہاں....؟'' افلن کو حیرت ہوئی تھی اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تھا لیکن مائدہ یونہی پڑی رہی بے حس و حرکت۔

''اٹھائیں ناں اسے۔'' اس نے دادی بی کو کہا۔

''تم خود اٹھا لو....'' دادی بی نے اسے کہا۔

"واقعی..... میں سچ مچ اٹھا کر لے جاؤں گا پھر۔"
"لے جاؤ..... "وہ اجازت دے رہی تھیں۔
"دادی بی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" مائدہ یکدم کمبل پرے دھکیل کے اٹھ بیٹھی تھی اور افلن کے ساتھ ساتھ دادی بی بھی کھل کے ہنس دیں۔
"لو اٹھ گئی ہے۔" انہوں نے اشارہ کیا۔
"تھینک یو.....!" افلن ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اٹھا اور مائدہ کی طرف بہ آکر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مائدہ دادی بی کے سامنے اس کی ایسی حرکت پہ جھینپ گئی تھی۔
"میرا ہاتھ چھوڑیں۔"
"چھوڑتا ہوں، چھوڑتا ہوں، پہلے تم اٹھو تو سہی۔" افلن دروازے کی سمت بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"او کے دادی بی! گڈ نائٹ، صبح ملاقات ہوگی۔" وہ انہیں گڈ نائٹ کہہ کر مائدہ کو ننگے پاؤں کھینچتا ہوا اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔
"پاگل ہو گئے ہیں آپ..... یہ کیا کر رہے ہیں؟ دادی بی کیا سوچیں گی؟"
مائدہ خفگی سے بولی تھی اور افلن نے بیڈ روم کا دروازہ بند کرتے ہوئے اسے مسکرا کے معنی خیز نظروں سے دیکھا تھا۔
"پہلے پاگل تھا، اب تو میں ہوش میں آیا ہوں۔ میرے ہوش و حواس سب تمہارے نام۔"
"آپ کے ہوش و حواس کا کیا اعتبار؟ نجانے کب آپ ڈرنک کر کے گنوا دیں.....!"
"تمہاری قسم! اب نہیں کروں گا۔" اس نے کان پکڑے افلن کے جواب پہ مائدہ کا دل یکدم پُرسکون ہو گیا تھا۔
"اور ہاں تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔ آج کے اخبار میں، صرف عالیہ کی طلاق کا ہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی لکھا ہوا تھا۔"
"کیا لکھا ہوا تھا.....؟" مائدہ جلدی سے بولی۔
"شیخ زمان کو جیل ہو گئی ہے۔" اس نے اطمینان سے بتایا۔
"شیخ زمان کو جیل.....؟" مائدہ بری طرح چونکی تھی۔
"ہاں، اس نے محلے کی کسی لڑکی کو بہانے سے گھر میں بلا کر اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تھی وہیں تمہاری امی آگئیں اور شور مچا دیا، جن کی بیٹی تھی وہ پولیس لے آئے اور شیخ زمان کو جیل بھیج دیا۔"
"اوہ خدایا! پھر امی تو کافی غیر محفوظ ہوں گی؟ وہ اگر جیل سے آگیا تو امی کو نقصان پہنچائے گا۔" مائدہ کو اب حلیمہ بی بی کی فکر ستا رہی تھی۔
"نہیں پہنچائے گا، کیونکہ میں کل ہی آنٹی کو اپنے گھر لے آؤں گا..... اور اس کمینے پہ ایسا کیس کروں گا کہ کبھی باہر کی ہوا بھی نہیں لے گا۔" افلن نے جیسے اپنا فیصلہ سنایا اور مائدہ مارے خوشی اور تشکر کے بے ساختہ افلن کے سینے سے لگ گئی تھی۔
"تھینک یو افلن! تھینک یو سو مچ۔"
وہ رو رہی تھی اور افلن نے اسے اپنی پناہوں میں لے لیا تھا۔ اس کی خوشی بھرے آنسو افلن کے سینے میں جذب ہو رہے تھے اس نے مائدہ کے ماتھے پہ استحقاق بھرا بوسہ دیا تھا اور اپنا حصار اس کے گرد اور بھی مضبوط کر دیا تھا۔ جس پہ وہ اللہ کا شکر بجا لائی تھی۔

✡